جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی ہورہی ہو، اُن کا مذاق اڑایا جارہا ہو اُس میں بیٹھنے والا بھی انھی جیسا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ﴾ [النساء: ١٤٠]

''اور یقیناً اس نے تم پر کتاب میں یہ حکم نازل فرمایا کہ جب تم اللہ کی آیات کے متعلق سنو کہ ان کے ساتھ کفر کیا جارہا ہے اور ان کے ساتھ مذاق کیا جارہا ہے تو اُن کے ساتھ مت بیٹھو جب تک وہ کسی اور بات میں نہ لگ جائیں، یقیناً تم اس وقت ان کی طرح ہی ہوگے۔''

۶۰۔جانوروں کوعذاب دینا:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

((عذبت امرأة في هرة سجنتها حتى ماتت فدخلت فيها النار لا هي أطعمتها وسقتها إذ حبستها ولا هي تركتها تأكل من خشاش الأرض .))

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ٢٣٦٥، صحيح مسلم، رقم الحديث: ٢٢٤٢)

''ایک عورت کو بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا۔اس نے کسی بلی کو محبوس رکھا۔نہ ہی اس نے کھانے کو دیا، نہ پینے کو دیا، نہ ہی اس کو چھوڑا کہ وہ خود زمین سے کھائے یہاں تک وہ مرگئی جس کی وجہ سے وہ (عورت) جہنم میں گئی۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لا تتخذوا شيئا فيه الروح عرضا .))

(صحيح مسلم، رقم الحديث: ١٩٥٧، مسند أحمد: ٢١٦/١)

''تم کسی ایسی چیز میں نشانہ نہ بناؤ جس میں روح ہو۔''

۶۱۔سودخوری:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"لعن رسول الله ﷺ آكل الرباء وموكله وكاتبه وشاهديه وقال: هم سواء ."

(صحيح مسلم، رقم الحديث: ١٥٩٨)

''اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت کی ہے سود کھانے والے، سود کھلانے والے، لکھنے والے، اس کے گواہوں پر اور فرمایا: یہ سب برابر ہے۔''

حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

((درهم ربا يأكله الرجل وهو يعلم أشد من ستة وثلاثين زنية .))

(مسند أحمد: ٢٢٥/٥)

''سود کا ایک درہم جو بندہ جانتے ہوئے کھاتا ہے وہ چھتیس بار زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔''

(عبدالرحیم بلتستانی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

ہفت روزہ

الاعتصام

لاہور

یکے از مطبوعات دارالدعوۃ السلفیۃ

بانی: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست: مولانا ابوبکر صدیق السلفی

17 رجب المرجب 1433ھ جمعۃ المبارک 08 تا 14 جون 2012ء

شمارہ 23 جلد 64

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور
فون نمبر : 042-3735 4406
فیکس نمبر : 042-37229802
رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	12/- روپے
سالانہ	:	500/- روپے
بیرونی ممالک سے	:	200/- ریال 60/- ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

نقالی

حافظ احمد شاکر

وطن عزیز آج کل جس اجتماعی عذاب کا شکار ہے وہ لوڈ شیڈنگ ہے۔ لوڈ شیڈنگ بلکہ توانائی کے بحران سے ویسے تو پورا ملک ہی دوچار ہے لیکن صوبہ پنجاب پر خاص طور پر بڑوں اوران کے آقاؤں کی خصوصی نظر کرم ہے جو شاید اس جرم کی پاداش میں ہے کہ بجلی کے بل باقاعدہ صرف اہل پنجاب ہی ادا کرتے ہیں، اس عذاب نما بحران سے صنعتیں بند، کاروبار ٹھپ، مزدوری عنقا، پانی غائب، بجلی سے چلنے والی گھریلو اشیاء خراب گویا کہ زندگی منجمد سی ہو چکی ہے، طبیعتیں چڑچڑی، مزاج غصیلے، اعصاب تناؤ اور دماغ الجھاؤ کا شکار ہو چکے ہیں۔ خودکشیاں بڑھ رہی ہیں، جرائم کا گراف اوپر جا رہا ہے اور بے کاری و بے روزگاری اور مہنگائی کا اژدھا پھن پھیلائے انسانی جانیں ہڑپ کر رہا ہے۔

گزشتہ صدی کے آخری عشرے میں پی۔ پی۔ پی کے دورِ حکومت میں جب پہلی دفعہ پرائیویٹ سیکٹر سے بجلی خریدنے کے نام پر بدعنوانی کا یہ کھیل شروع کیا گیا تھا اس وقت کم وبیش ۶/ روپے یونٹ بجلی کا نرخ تھا۔ دردمند اور باخبر طبقوں کا ماتھا اسی وقت ٹھنکا تھا کہ کہیں وطن عزیز تاریک ہی نہ ہو جائے اور اصحابِ درد نے اس وقت ہی ان حالات وخدشات کا اظہار کر دیا تھا جن سے ہم آج دوچار ہو چکے بلکہ ہو رہے ہیں۔ ہمارے علم میں یہ بات پہلی دفعہ آئی ہے کہ کسی وزیر نے بجلی خرچ کرنے میں احتیاط کا مشورہ یوں دیا ہو۔ ۳/جون کے اخبار میں وزیر خزانہ کا بیان ہے کہ بجلی کا مسئلہ صرف پیسے دینے سے حل نہ ہوگا بلکہ اس کے ضیاع کو بھی روکنا چاہیے۔ حکومتی مشینری ڈینگی سے نمٹنے کے شعور کی آگہی مہم جس طرح چلا رہی ہے اس طرح حکومت کو بجلی کے ضیاع سے آگہی مہم بھی عوام تک پہنچانا چاہیے بلکہ اسکول کے اساتذہ کی تربیت کرتے وقت بچوں کے بنیادی اسباق کے طور پر بجلی کا ضیاع روکنے کی تعلیم کو لازمی کرنا چاہیے۔ یہ چونکہ سراسر اسراف وتبذیر ہے، اس لیے ایک پورا لیکچر (سبق) پہلی جماعت سے آخر تک وقت، توانائی اور پیسے کے ضیاع سے روکنے کا بچوں کی تعلیم ونصاب کا حصہ ہونا اور اس کو اہتمام سے پڑھانا چاہیے امتحان میں جس کو پاس کرنا لازمی ہو۔

اسلام نے مسلمانوں کے لیے دو مواقع خوشی ومسرت کے مقرر کیے ہیں اور دونوں کا تعلق عبادات سے ہے۔ عید الفطر کا دن رمضان المبارک کے روزوں کی توفیق ملنے کی خوشی کا اظہار ہی نہیں ہوتا بلکہ ربّ کریم کی طرف سے عیدگاہ میں حاضر ہونے والوں کے لیے مغفرت کی نوید بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح عید الاضحیٰ کے دن قربانی سے صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہی تازہ نہیں ہوتی بلکہ قربانی کے جانور کے ہر بال کے عوض گناہوں کی بخشش کا وعدہ بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں۔ اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ لیس العید لمن لبس الجدید انما العید لمن خاف الوعید.

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانیت کی خیر وبھلائی کے لیے اپنے آخری نبی ﷺ کے ذریعے جو آخری دین اسلام نازل فرمایا وہ اول تا آخر خیر ہی خیر اور برکت ہی برکت ہے۔ اس کی برکات میں سے ایک اہم برکت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اور شاگردوں کے اعمال خیر کا حصہ تو والدین اور اساتذہ کے لیے آخرت میں رکھا ہے اور اس کے ذخیرۂ آخرت بن جانے کا ذکر فرمایا ہے۔ لیکن اولاد اور شاگردوں کی کوتاہیوں اور گناہوں سے والدین واساتذہ کو...... بشرطیکہ والدین یا استاد نے ان کو برائی یا شرک کی نہ تعلیم دی ہو اور نہ تربیت کی ہو...... آخرت میں کوئی پکڑ دھکڑ یا عذاب وغیرہ نہ ہوگا۔ دوسرا احسان اللہ تعالیٰ نے اس امت پر یہ کیا کہ والدین واساتذہ کے علاوہ عام مسلمانوں کو آخرت میں ثواب پہنچانے کے لیے صدقات وخیرات کا طریقہ بتلایا اور راہنمائی فرمائی۔ جب کہ ہندوانہ اور کافر معاشرے میں مرحومین کے اجر وثواب یا ان سے اظہار عقیدت کے لیے دیئے جلائے جاتے

ہیں اور میتوں کی سمادھی...... جائے اموات...... پر پھول رکھے جاتے ہیں۔

اس کی بنیاد اصل میں یہ ہے کہ مجموعی طور پر ہم اپنے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کا انتظام نہیں کرتے۔ کچھ ہزار سالہ ہندوانہ مخلوط معاشرت کے اثرات، ان کی عادات واطوار اور زیادہ تر دینی جہالت کے باعث برصغیر کے مسلمان پہلے تو ہندوانہ رسومات سے متاثر ہوتے رہے، پھر جدید تعلیم کے نام پر مغربی تعلیم، صلیبی سامراج، اور عیسائی مشنریوں کے جال کے باعث عیسائیت سے مرعوبیت کے تحت یہ مغربی بلکہ عیسائیت کی مذہبی رسومات سے متاثر ہونے لگے۔ چنانچہ مسلمانوں نے ان بدیشیوں کی دیکھا دیکھی خوشی وغم کے اظہار میں ثواب جانتے ہوئے غیر مسلموں کی نقالی میں پھول چڑھانے، دیے جلانے اور لائٹنگ کرنی شروع کر دی۔ اوّلاً تو حکومت پاکستان کو چاہیے اگر یہ ممکن نہ ہو تو پنجاب حکومت کو تو ضرور چاہیے کہ وہ تمام مکاتب فکر کے علماء کی خدمت میں ''معراج شریف، شب برأت، عیدین اور دیگر گیارھویں شریف جیسے ایام کے بارے میں جن کی دین کی طرف نسبت کی جاتی ہے'' ایک استفتاء بھیجے یعنی علماء سے فتویٰ پوچھے کہ اس طرح کے ایام میں چراغاں کرنے کی سنت نبوی (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) تعامل اہل مدینہ، عمل صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ، محدثین کرام وفقہائے عظام علیہم الرحمہ کے کسی فتویٰ کی رو سے ضروری ہے یا ان کے کسی عمل سے ثابت ہے؟ اگر یہ دلائل واضحہ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہو تو اس کو میڈیا میں لایا جائے وگرنہ بصورت دیگر ان مروّجہ ایام شرعیہ میں خصوصاً عرسوں وغیرہ کے موقع پر توانائی کے ضیاع کو حکماً روک کرامت پر عموماً اور وطن عزیز پر خصوصاً ان حالات میں احسان کیا جائے۔

ان ایام کی تاریخ یا ان کے ابتداء کی تحقیق کی جائے تو یہ سوڈیڑھ سو سال سے شاید زیادہ نہ ہو اس لیے کہ صلیبی سامراج نے اپنے مخصوص افتراق وانتشار کے منصوبے کے مطابق ان رسومات وبدعات کو دین قرار دینے کے لیے دین کا لبادہ اوڑھے علم دین سے نابلد ایک طبقہ پہلے تیار کیا پھر اس کی نمو کی اور پھر صلیب کے معروف اصول ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کے تحت صدیوں سے باہم شیر وشکر مسلمانوں کو آپس میں بدظن کیا، لڑایا، بھڑایا حتی کہ تکفیر کی رسم بد اس طرح پھیلائی کہ وہ اب تک قابو میں ہی نہیں آ رہی۔ اس لیے توانائی کی بچت کے علاوہ اتحاد امت کے لیے بھی یہ فتویٰ ضروری ہے تاکہ مسلمانوں کو کافر کہنے کی بجائے کافروں کو مسلمان بنایا جا سکے۔

قابل مذمت سلوک:

المملكة العربية السعودية کے عوام اور حکمرانوں یعنی آل سعود کی پاکستان اور پاکستانی عوام سے محبت نادر الوجود ہے۔ ویسے تو سعودی حکومت دنیا بھر کے کسی مسلمان ملک یا مسلمانوں کی تکلیف نہیں دیکھ سکتی، دنیا کے کسی خطے کا مسلمان ملک یا فرد جب بھی اپنے سعودی بھائیوں کو پکارے یا سعودی عوام اور حکمرانوں کی نظر میں ان کی ضرورت آ جائے تو وہ بتوفیقہ تعالیٰ اس ضرورت کو پورا کرنا اپنا اسلامی فرض جانتے بھی ہیں اور پورا بھی کرتے ہیں۔ لیکن پاکستان اور پاکستان کے عوام کے ساتھ تو ان کا تعلق والہانہ ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اغیار اس محبت کو برداشت نہیں کر پا رہے۔ گزشتہ سال ایک سعودی سفارت کار کو کراچی میں نامعلوم موٹر سائیکل سوار قتل کر گئے تھے جن کا ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا۔ پھر دو ماہ قبل ایک سعودی آفس کے معتمد حافظ عبدالرشید اظہر کا قتل اس محبت میں دراڑ ڈالنے کی عیارانہ کوشش تھی، اب حال ہی میں اسلام آباد کے بے نظیر انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر سعودی سفارت خانے کے ملٹری اتاشی کے ساتھ سکیورٹی کے رویہ کی جن تفصیلات کا اخبارات میں ذکر آیا ہے وہ نہایت قابل مذمت ہے۔ حکومت پاکستان کو اس کی تفصیلات سے عوام کو مطلع کرنا چاہیے اور سعودی اخوان اور سعودی حکومت سے اس کی معذرت کرنی چاہیے۔ پاکستان اور اس کے عوام پر سعودیہ کے احسانات سے ہٹ کر ایک مہمان پھر معزز مسلمان مہمان کے ساتھ یہ رویہ قابل مذمت ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ پاک سعودی اخوان کے مابین الجھاؤ اور تناؤ کی طاغوت کی وہی پالیسی ہے جس کو اس نے شروع کر رکھا ہے۔ ہمارے سرکاری کارندوں کو بھی چاہیے کہ وہ صرف آقاؤں کے سامنے ہی نہ منمنایا کریں بلکہ کسی کی محبت واخلاص کا خیال بھی رکھ لیا کریں۔

درس قرآن

قسط نمبر ۲۶

تفسیر سورۂ یٰس

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿ یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝﴾ [یٰس: ۳۰۔۳۲]

''ہائے افسوس بندوں پر! ان کے پاس کوئی رسول نہیں آتا رہا مگر وہ اس کے ساتھ ٹھٹھا کیا کرتے تھے۔ کیا انھوں نے نہیں دیکھا! ہم نے ان سے پہلے کتنے زمانوں کے لوگ ہلاک کر دیے کہ بے شک وہ ان کی طرف پلٹ کر نہیں آتے۔ اور نہیں ہیں وہ سب مگر اکٹھے ہمارے پاس حاضر کیے جانے والے ہیں۔''

پہلی آیت کریمہ میں مکذبین کے انجام اور ان کی بدبختی پر اظہارِ افسوس ہے۔ ''حسرۃً'' کے معنی افسوس اور غم کے ہیں۔ کسی چیز کے ہاتھ سے نکل جانے پر پشیمانی اور ندامت ہوتی ہے، اس پر انسان کفِ افسوس ملتا ہے اور پریشان ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ مکذبین یہ افسوس وندامت قیامت کے روز کریں گے، یہی قول امام قتادہ کا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے کہ یہ حسرت قیامت کو اپنے آپ پر کریں گے بلکہ بعض قراءتوں میں بھی ہے:

''يا حسرة العباد على أنفسهم.''

جس سے اسی مفہوم کی تائید ہوتی ہے کہ وہ قیامت کو اپنے آپ پر افسوس کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم نے رسولوں کی تکذیب کی اور کیوں اللہ کے فرمان کی خلاف ورزی کی۔ دنیا میں جو رسول ہمارے پاس آیا، ہم اس کا مذاق اڑاتے رہے۔ قرآنِ مجید میں اس کا ذکر ایک مقام پر یوں ہے:

﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝﴾ [الأنعام: ۳۱]

''یقیناً خسارے میں رہے وہ لوگ جنھوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا، یہاں تک کہ جب ان کے پاس قیامت اچانک آ پہنچے گی، کہیں گے: ہائے ہمارا افسوس! اس پر جو ہم نے اس میں کوتاہی کی اور وہ اپنے بوجھ اپنی پشتوں پر اٹھائیں گے۔ سن لو! بُرا ہے جو وہ بوجھ اٹھائیں گے۔''

اسی طرح ایک اور مقام پر یہ بات کہتے ہوئے کہ تمھاری طرف جو کچھ نازل کیا گیا ہے اس پر عذاب آنے سے پہلے عمل کر لو، کہیں ایسا نہ ہو:

﴿اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ﴾

[الزمر: ۵۶]

''کوئی شخص کہے گا: ہائے افسوس! اس کوتاہی پر جو ہم نے اللہ کی جناب میں کی اور بے شک میں تو مذاق کرنے والوں سے تھا۔''

قیامت کا دن ''یوم الحسرۃ'' ''حسرت کا دن ہے۔'' (مریم: ۳۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ معنی ''یا ویلا للعباد'' ہے، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ایسے بندوں کے لیے ہلاکت ہے۔

بعض نے کہا کہ یہ حسرت ملائکہ اور مومنین صادقین کی طرف سے مکذبین کے بارے میں ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حسرت ان رسولوں کی طرف سے ان مکذبین کے بارے میں تھی جب انھوں نے مردِ حق کو شہید کردیا تھا۔ بعض نے یہ بھی کہا کہ یہ حسرت کا اظہار اللہ جل شانہ کی طرف سے استعارۃً ومجازاً ہے معاملے کی اہمیت کی بنا پر کہ مکذبین نے اپنے لیے صراطِ مستقیم کی بجائے صراط جحیم کو پسند کیا ہے۔

علامہ رازی رحمہ اللہ نے تو کہہ دیا ہے: ''حسرت'' کا لفظ اللہ تبارک وتعالیٰ کے بارے میں اسی طرح سے ہے جیسے ضحک، نسیان، سحر، تعجب اور تمنی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔

اگر اِس حسرت کا اظہار اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرار دیا جائے تو یہ کمال شفقت کے اظہار کے لیے محض انسانی محاورے کے طور پر ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ ہر ایک سے بے نیاز اور بے پروا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے کہ میرا بندہ جہنم کا ایندھن بنے، اسی لیے اللہ نے اپنے رسول بھیجے اور اپنی کتابیں نازل کیں۔ اس کے باوجود اگر کوئی رسول کا انکار کر کے جہنم کی راہ اختیار کرتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کو کوئی ندامت اور افسوس نہیں، نہ کسی کے انکار سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان ہے۔

﴿مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ﴾ یہ حسرت کا سبب بیان ہوا ہے کہ جب بھی ان کی ہدایت کے لیے کوئی رسول آیا تو انھوں نے اس کا مذاق اڑایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام امتوں نے اپنے اپنے رسولوں کی تکذیب کی ہے۔ یوں نہیں کہ کسی امت نے بہ کمال وتمام یا ان کی اکثریت نے رسول کی دعوت کو قبول کیا ہو۔ نکرہ سیاق نفی میں ذکر ہو اور اس سے پہلے ''مِنْ'' کا اضافہ ہو تو وہ نکرہ عموم کا فائدہ دیتا ہے جیسے یہاں ﴿مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ﴾ ذکر ہوا ہے۔ قرآنِ مجید ہی میں اس کی متعدد مثالیں ہیں، مثلاً ایک مقام پر ہے:

﴿وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ [سبا: ٣٤]

''اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر اُس کے خوش حال لوگوں نے کہا: بے شک ہم اس چیز کے جو تم دے کر بھیجے گئے ہو، منکر ہیں۔''

نیز دیکھیے الاعراف (آیت: ۹۴، ۹۵)، الزخرف (آیت: ۲۳)، المومنون (آیت: ۴۴)۔ لیکن اس عموم سے ایک امت فی الجملہ خاص ہے اور وہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم ہے۔ جنھوں نے ابتداءً تو اُن کی تکذیب کی۔ حضرت یونس علیہ السلام انھیں عذاب سے ڈراتے تھے مگر وہ ایک نہ سنتے تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے شہر نینوی کو چھوڑ دینے کے بعد جب عذاب کے آثار محسوس ہوئے تو پوری بستی تائب ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَاۤ اِيْمَانُهَاۤ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ﴾ [یونس: ۹۸]

''سو کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی جو ایمان لائی ہو، پھر اُس کے ایمان نے انھیں نفع دیا ہو، یونس کی قوم کے سوا۔''

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم یونس علیہ السلام ایمان لے آئی تھی۔ صرف یہ ایک قوم مندرجہ بالا آیات کے عمومی حکم سے مستثنیٰ ہے۔

رسول کی تکذیب کو امام رازی نے ایک مثال سے واضح کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: اسے یوں سمجھو کہ کسی شخص کے پاس بادشاہ آئے، وہ اسے بتلائے کہ میں بادشاہ ہوں اور اس سے کوئی معمولی چیز طلب کرے مگر وہ شخص اسے بادشاہ ماننے سے انکار کردے اور طلب کی ہوئی چیز دینے سے بھی انکار کردے۔ ایک مدت بعد اتفاقاً وہی شخص بادشاہ کے پاس جائے۔ بادشاہ تخت شاہی پر بیٹھا ہو اور وہ اس کے سامنے کھڑا ہو اور وہ پہچان رہا ہو کہ یہ تو وہی ہے جو مجھے ملا تھا اور کہا تھا کہ میں بادشاہ ہوں، اس نے معمولی چیز مجھ سے طلب کی تھی مگر میں نے اسے بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کردیا تھا اور اس کی مطلوبہ چیز بھی نہیں دی تھی تو اس وقت وہ کس قدر نادم وپشیمان ہوگا۔ اسی طرح اللہ کے رسول بہ منزلہ بادشاہ ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں جو اعزاز بخشا ہے اور اپنا نمائندہ بنایا ہے تو وہ بادشاہ سے بھی زیادہ معظم ومکرم ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(باقی صفحہ نمبر ۱۶ پر)

درسِ حدیث

توفیق الباری

"الادب المفرد" للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ
تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیوکرول شالامار باغ۔لاہور)

١٢٧١ . عن جابر، أنه سمع من رسول الله ﷺ يقول: ((أقلوا الخروج بعد هدوء، فإن لله خلقا يبثهم، فإذا سمعتم نباح الكلاب أو نهاق الحمير فاستعيذوا بالله من الشيطان.))

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "جب رات کا سناٹا شروع ہو جائے تو گھر سے باہر نہ نکلو۔ اللہ تعالیٰ کی بہت سی مخلوق ہے، وہ ان کو زمین پر پھیلا دیتے ہیں۔ جب تم کتے کے بھونکنے اور گدھے کے ہینگنے کی آواز سنو تو شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔"

باب: إذا سمع الديكة

جب مرغ کی آواز سنو

١٢٧٢ . عن أبي هريرة، عن رسول الله ﷺ أنه قال: ((إذا سمعتم صياح الديكة من الليل فإنها رأت ملكا، فسلوا الله من فضله، فإذا سمعتم نهاق الحمير من الليل، فإنها رأت شيطانا، فتعوذوا بالله من الشيطان.))

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب تم رات کو مرغ کی آواز سنو تو (سمجھ جاؤ کہ) وہ (اللہ تعالیٰ کی رحمت کے) فرشتے کو دیکھ رہا ہے، اس وقت تم اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو۔ اور جب تم گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو کیوں کہ اس نے شیطان کو دیکھا ہے۔"

باب: لا تسبوا البرغوث

برغوث (کھٹمل، پچڑی) کو گالی نہ دو

١٢٧٣ . عن أنس بن مالك، أن رجلا لعن برغوثا عند النبي ﷺ فقال: ((لا تلعنه فإنه أيقظ نبيا من الأنبياء للصلاة.))

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت ہے کہ کسی آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے برغوث پر لعنت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اس پر لعنت نہ کرو کیوں کہ اس نے پہلے انبیاء میں سے ایک نبی کو نماز کے لیے جگایا تھا۔"

باب: القائلة

قیلولہ (دوپہر کو سونا)

١٢٧٤ . عن عمر قال: ربما قعد على باب ابن مسعود رجال من قريش، فإذا فاء الفيء قال: قوموا فما بقي فهو للشيطان، ثم لا يمر على أحد إلا أقامه، قال: ثم بينا هو كذلك إذ قيل: هذا مولى بني الحسحاس يقول الشعر فدعاه فقال: كيف قلت؟ فقال:

ودع سليمى إن تجهزت غازيا
كفى الشيب والإسلام للمرء ناهيا

فقال: حسبك صدقت صدقت.

"حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قریش کے اکثر

لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھا کرتے تھے۔ جب سورج ڈھل جاتا تو وہ کہتے: کھڑے ہو جاؤ (قیلولہ کرو)، اب جو دن باقی رہ گیا ہے وہ شیطان کا حصہ ہے۔ اس کے بعد جس آدمی کے پاس سے گزرتے اس کو اٹھا دیتے (قیلولہ کے لیے)۔ اسی دوران آپ کو بتایا گیا کہ یہ مولا بنی حسحاس (یعنی بنو حسحاس کا غلام) شعر کہتا ہے۔ آپ نے اسے بلایا اور پوچھا: تُو کس طرح شعر کہتا ہے؟ اس نے اپنا شعر سنایا جس کا ترجمہ یہ ہے: محبوبہ سلیمی کو چھوڑ دو اگر تمھیں صبح صبح غزوہ کے لیے نکلنا ہے۔ بڑھاپا اور دین اسلام انسان کو بُرائی سے روکنے کے لیے ہیں۔ یہ سن کر فرمایا: بس بس کافی ہے، کیا خوب کہا ہے۔''

١٢٧٥ . عن السائب بن يزيد قال: كان عمر رضي الله عنه يمر بنا نصف النهار ـ أو قريبا منه ـ فيقول: قوموا فقيلوا فما بقي للشيطان .

''حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہمارے پاس سے دوپہر کو یا اس کے قریب وقت میں گزرتے تھے اور فرماتے تھے: اٹھو! جا کے قیلولہ کرو۔ اب جو باقی رہ گیا ہے وہ شیطان کے لیے ہے۔''

١٢٧٦ . عن أنس قال: كانوا يجمعون ثم يقيلون .

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگ اکٹھے ہوتے تھے، پھر قیلولہ کرتے تھے۔''

١٢٧٧ . قال أنس: ما كان لأهل المدينة شراب ـ حيث حرمت الخمر ـ أعجب إليهم من التمر والبسر ، فإني لأسقي أصحاب رسول الله ﷺ وهم عند أبي طلحة ـ مر رجل فقال: إن الخمر قد حرمت ، فما قالوا: متى؟ أو حتى ننظر ، قالوا: يا أنس! أهرقها ، ثم قالوا عند أم سليم حتى أبردوا واغتسلوا ، ثم طيبتهم أم سليم ، ثم راحوا إلى النبي ﷺ فإذا الخبر كما قال الرجل ، قال أنس: فما طعموها بعد .

''حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جس وقت شراب حرام ہوئی اس وقت اہل مدینہ کی مرغوب ترین شراب کھجور اور چھوہارے کی بنی ہوئی شراب تھی۔ میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو شراب پلا رہا تھا۔ ایک آدمی وہاں سے گزرا اور کہا کہ شراب حرام ہوگئی ہے۔ لوگوں نے یہ نہیں کہا کہ کب حرام ہوئی یا تحقیق کر لیتے ہیں بلکہ یہ کہا کہ انس! اس شراب کو بہا دو۔ اس کے بعد انھوں نے وہیں امّ سلیم کے گھر میں قیلولہ کیا (یہ انس کی والدہ تھیں)۔ دن ٹھنڈا ہوگیا۔ انھوں نے غسل کیا اور امّ سلیم نے ان کے لیے خوش بُو بھیجی۔ انھوں نے خوش بُو لگائی اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو معلوم ہوا کہ شراب حرام ہوگئی ہے، خبر سچی ہے۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں ان اصحاب محمد ﷺ نے اس کے بعد پھر کبھی شراب نہیں چکھی۔''

باب: نوم آخر النهار

دن کے آخری وقت میں سونا

١٢٧٨ . عن خوات بن جبير قال: نوم أول النهار خرق ، وأوسطه خلق ، وآخره حمق .

''خوات بن جبیر کہتے ہیں: دن کے اوّل وقت سونا نادانی ہے اور اس کے درمیان میں سونا اچھی عادت ہے اور آخر دن میں سونا حماقت و بے وقوفی ہے۔''

فائدہ: صراح میں کہا ہے: خرق گولی حرق گول شدن۔ خلق سے مراد عادت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اوّل و آخر روز میں سونا بے وقوفی ہے اور قیلولہ کرنا خوئے انسان ہے۔

سیرت وسوانح

قسط نمبر ②

استاذ الاساتذہ ڈاکٹر مقتدیٰ حسن بن یاسین ازہری

حیات وخدمات

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی (استاذ حدیث جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية، رياض)

ازہری صاحب کی جامعہ سلفیہ کے اسٹیج سے دینی دعوتی، تعلیمی اور تصنیفی خدمات:

ازہری صاحب کو اللہ تعالیٰ نے متعدد صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ حفظ قرآن اور تجوید کے ساتھ مئو کے مدارس کی تعلیم سے عربی، اردو، فارسی اور علوم وفنون پر پوری طرح دسترس حاصل تھی۔ جامعہ ازہر میں تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے عربی زبان وبیان اور ترجمہ پر مزید قدرت ہوگئی۔ اس طرح سے ہندوستان کے مروّجہ عربی نصاب تعلیم میں سے ہرفن کی کتابوں کی پڑھانے کی استعداد بہ درجہ اتم موجود تھی۔ اور اردو، عربی میں تصنیف وتالیف اور مقالہ نگاری نیز تحقیق کتب کے ساتھ ساتھ انتظامی امور کی نگرانی کا بھی بڑا اچھا سلیقہ تھا۔ اس لیے ابتدا ہی سے تدریس کے ساتھ مختلف انتظامی امور کی ذمہ داریاں بھی بہ حسن وخوبی نبھاتے رہے۔

جامعہ سلفیہ کے پلیٹ فارم سے انھوں نے درج ذیل میدانوں میں اپنی صلاحیت کا مظاہرہ کیا:

۱: تدریس کے میدان میں عربی زبان وادب اور شرعی علوم کو ہمیشہ پڑھاتے رہے۔

۲: جامعہ میں ادارۃ البحوث الاسلامیہ کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے مختلف اسلامی علوم وفنون اور عربی، اردو، ہندی اور انگریزی زبان میں ۴۰۰ سے زیادہ کتابیں شائع کیں جن میں سے اکثر یا ساری کتابوں کی تصحیح اور مراجعت کا کام بھی کیا۔ بہت ساری کتابوں پر مقدمے بھی تحریر فرمائے اور بہت ساری کتابوں کی پروف ریڈنگ کی۔ ادارۃ البحوث الاسلامیہ کے ذمہ دار کی حیثیت سے محض اس کا انتظام وانصرام خود ایک بہت بڑا کام اور کارنامہ ہے لیکن ساتھ خود ادارے کی خدمت اور تدریس کے فرائض کے ساتھ حسبِ توفیق تصنیف وتالیف اور ترجمہ وتعریب کا کام کرتے رہے جن میں سے بعض کتابیں جامعہ سے شائع ہوئیں اور بعض باہر سے۔

۳: **مرکزی مکتبہ جامعہ سلفیہ:** جامعہ سلفیہ کی سنٹرل لائبریری سے بھی ازہری صاحب کو بڑا تعلق خاطر تھا اور اس کی فنی ترتیب اور کتابوں کی تجلید وغیرہ میں انھوں نے کافی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

۴: **ماہنامہ صوت الامہ (عربی):** جامعہ سلفیہ سے ۱۹۶۹ء سے آپ کی ادارت میں عربی مجلّہ صوت الامہ شائع ہونا شروع ہوا جس کے اداریے ابتدا سے تا وفات لکھتے رہے اور مختلف موضوعات پر مقالات بھی۔

۵: **ماہنامہ محدث:** جامعہ میں اردو مجلّہ (صوت الجامعہ ۱۹۷۳ء) میں شائع ہونا شروع ہوا جس کے ایڈیٹر استاد محترم مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی رحمہ اللہ تھے جو بہت بڑے عالم دین، علوم کتاب وسنت کے ماہر، فنون کے استاد، بالخصوص حدیث، فقہ اور فرائض میں ماہر اور ایک اچھے شاعر تھے۔ جامعہ کی تاسیس ۶۳ء سے پہلے آپ جامعہ رحمانیہ میں استاد تھے۔ جامعہ سلفیہ کے مؤسسین میں بلاشبہ آپ کا نام آئے گا۔ اس زمانے میں جامعہ سلفیہ سے جتنے اشتہارات اور پمفلٹ شائع ہوتے رہے، سب استاد محترم کے رشحات قلم کا شاہکار تھے۔ مجلّہ کا اداریہ خود لکھتے، مختلف مضامین بھی، بالخصوص اہل حدیث اور دیوبندیوں کے مابین اختلافی

مسائل پر ہونے والی صحافتی بحثوں میں ان کا قلم خوب خوب چلتا تھا۔ مولانا عامر عثمانی رحمہ اللہ (ایڈیٹر ماہنامہ تجلی، دیوبند) سے مجلّہ میں مناظرے چلتے رہے۔ اس زمانے میں انھوں نے ایک مشہور مضمون ''مدیر تجلی کا سہ آتشہ تفقہ'' کئی قسطوں میں لکھا۔ مولانا عامر عثمانی کے انتقال پر کہنے لگے کہ مرحوم کے انتقال کے بعد ان مسائل پر لکھنا بند ہوگیا ہے۔ ان کے حوالے سے اس طرح کے اختلافی مسائل پر لکھنے کا موقع ملتا تھا۔ آزاد صاحب میں بہت ساری خوبیاں تھیں اور جامعہ سلفیہ کی تاسیس سے پہلے ہی اس مہم کو سر کرنے والے گمنام مجاہدین کے سردار تھے۔ مولانا آزاد رحمہ اللہ کے بعد اردو مجلّہ کی خدمت بھی سب سے زیادہ ازہری صاحب نے کی۔ اردو میں بھی ازہری صاحب کا قلم خوب خوب چلتا تھا اور محدث میں آپ کی مشارکت شروع ہی سے رہی۔ اب جامعہ کے پاس تدریس کے علاوہ کام کرنے کے لیے اور میدان تھے۔ عربی کے ساتھ اردو مجلّے میں ازہری صاحب کی شرکت مجلّہ کے لیے نیک فال کی حیثیت رکھتا تھا۔

غالباً ۶۹ء میں استاد محترم مولانا محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ بھی جامعہ آگئے۔ اس طرح سے اب ادارہ میں تین مشہور لکھنے والے ہوگئے۔ کہنا یہ ہے کہ جامعہ میں موجودگی کی وجہ سے اہزری صاحب اردو مجلّہ میں بھی مقالات لکھتے رہے، ساتھ ہی باہر کے مجلّات میں بھی مقالات کی اشاعت کا سلسلہ جاری رہا جن میں ترجمان، اہل حدیث کے علاوہ مجلّہ معارف اعظم گڑھ قابل ذکر ہے۔

ایک اور پرلطف اور تعجب انگیز واقعہ:

یہ بات تو یاد نہیں رہی کہ مجلّہ اہل حدیث دہلی کا اس زمانے میں ایڈیٹر کون تھا۔ ہوا یہ کہ ازہری صاحب نے ابوالعباس القلقشندی پر ایک مقالہ تحریر فرمایا اور اسے اشاعت کے لیے مجلّہ اہل حدیث میں روانہ کیا لیکن نامعلوم مصلحت اور سبب کی بنا پر مضمون شائع نہ ہوسکا۔ شاید ازہری صاحب کو اس کا سبب معلوم رہا ہو لیکن انھوں نے مجھ سے اس کا تذکرہ نہ کیا۔ ہوا یہ کہ مقالہ کی ایک کاپی مجھے پوسٹ کرنے کے لیے دی اور کہا کہ تمھارے نام سے مجلّہ اہل حدیث میں یہ مضمون بھیج رہا ہوں۔ دیکھو وہ اسے شائع کرتے ہیں کہ نہیں۔ میں نے وہ مضمون پوسٹ کردیا اور جلد ہی میرے نام سے وہ شائع ہوگیا۔

۶: **وکالت الجامعہ:** جامعہ سلفیہ کے شعبہ انتظام کے حوالے سے ازہری صاحب نے کئی سال تک جامعہ کی مذکورہ بالا میدانوں میں خدمت کا تجربہ حاصل کیا تو آگے چل کر مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی تحریک پر ناظم صاحب نے ان کو وکیل الجامعہ کے منصب پر فائز کیا۔ جب کہ اس منصب کے قبول کرنے سے پہلے جامعہ کی عرب سے خط کتابت، کانفرنسوں اور سیمیناروں کی تنسیق وترتیب، عرب مہمانوں کے استقبال اور ملک کے اندر سے آنے والے مہمانوں کی دیکھ ریکھ کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اور عملاً شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید بن ابوالقاسم رحمانی رحمہ اللہ کے کاموں میں ان کے مشیر بلکہ بسا اوقات خود ان کے کاموں کو انجام دیتے تھے۔

وکیل الجامعہ کے منصب کے بعد ذمہ داریوں کا کام بڑھ گیا اور آزاد صاحب پوری زندگی تدریس وافتا اور اردو مجلّے اور امتحانات کی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔

ازہری صاحب کے آنے کے بعد ناظم صاحب نے آپ کو اردو میں خط کتابت وغیرہ کی بعض ذمہ داریاں بھی دیں۔ اور آزاد صاحب کی وفات کے بعد ازہری صاحب عملی طور پر جامعہ سلفیہ کے اندرون اور بیرون ملک کے سارے کام کرنے لگے۔ عملاً شیخ الجامعہ کے ساتھ تعاون رہے۔ شیخ الجامعہ بھی ہر چھوٹے بڑے مسئلے میں آپ سے رجوع ہوتے۔ اور اساتذہ اور طلباء کے تدریسی مسائل سے لے کر ان کی رہائش، بورڈنگ، علاج اور چھٹی، نیز امتحانات وغیرہ کے سارے مسائل سے آپ کا تعلق ہوگیا۔ نیز نصاب تعلیم سے متعلق مسائل، مرکزی، صوبائی اور ضلعی جمعیت اہل حدیث سے متعلق کام، اساتذہ

جامعہ کے ذریعے ہونے والی تبلیغی اور دعوتی خدمات کی تنسیق ونگرانی کے مسائل۔

جب ازہری صاحب کو وکالت الجامعہ کے منصب پر فائز کیا گیا تو حقیقت میں یہ ایک شکلی چیز تھی۔ کیوں کہ شروع ہی سے جامعہ کے سارے کام وہی کرتے تھے۔ اب باقاعدہ اس عہدے کے تقاضے کی بناء پر مزید ذمہ داریاں بڑھ گئیں اور جامعہ کی فلاح وبہبود سے متعلق خط کتابت اور اس کے لیے اندر اور باہر کے اسفار، سرکاری حکام سے ملاقات، باہر سے آنے والے ہر طرح کے مہمانوں کا استقبال اور ان کی ضیافت کی دیکھ بھال اور جامعہ میں ہونے والے اجتماعات اور سیمینار کا انتظام وانصرام، سپاس ناموں کی تحریر اور جامعہ کی طرف سے ملک کے اندر اور ملک کے باہر کے اسفار و رَحلات، ساری ذمہ داریاں بہ حسن وخوبی نبھاتے رہے۔

تصنیف، تالیف، ترجمہ اور تحقیق:

لگتا ہے عنفوانِ شباب ہی سے ازہری صاحب کو لکھنے پڑھنے اور ترجمہ کا ذوق وشوق تھا اور جامعہ ازہر جا کر عربی زبان وادب میں استعداد پیدا کرنے کے ساتھ ہی مصر ریڈیو کے شعبہ اردو میں خبروں کو اردو میں ترجمہ کرکے ریڈیو پر پڑھنے کا کام کیا جس سے ان صلاحیتوں کو مزید پختگی حاصل ہوئی۔ ۶۸ء میں جب مصر سے واپس آتے ہی بنارس آ گئے تو فوراً ہمہ جہتی میدان میں صلاحیت کے جوہر دکھانے کا موقع مل گیا۔ انھوں نے بہت ساری کتابوں کی تالیف فرمائی، نیز اردو سے عربی میں مفید کتابیں منتقل کیں۔ فارسی سے بھی کئی مفید کتابیں عربی میں منتقل کیں جن کی وضاحت درج ذیل ہے:

اردو مؤلفات:

ا: تاریخ ادب عربی (۵ حصے)۔ ناشر: ادارۃ البحوث الاسلامیہ، جامعہ سلفیہ، بنارس۔
۲: خاتون اسلام۔ ناشر: ادارۃ البحوث الاسلامیہ، جامعہ سلفیہ، بنارس۔
۳: عصر حاضر میں مسلمانوں کو سائنس اور ٹیکنالوجی کی ضرورت۔
۴: قرآنِ کریم پر غور وتدبر مذہبی فریضہ ہے۔
۵: رمضان اور عید الفطر تربیتی نقطہ نظر سے۔ ناشر: مکتبۃ الفہیم، مئو۔
۶: ہندوستان میں تحریک اہل حدیث اور جدید تقاضے، تاریخ وتعارف

عربی مؤلفات:

۱: منصور الفقيه: حياته وشعره (ایم فل، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) یہ رسالہ مجلّہ المجمع الہندی، علی گڑھ میں ۱۹۷۷ء میں شائع ہو چکا ہے۔
٢: نظرة إلى مواقف المسلمين من أحداث الخليج۔ ناشر: ادارۃ البحوث الاسلامیہ، جامعہ سلفیہ، بنارس۔
٣: حقيقة الأدب ووظيفته۔ ناشر: جامعہ سلفیہ، بنارس۔
٤: مشكلة المسجد البابري في ضوء التاريخ والكتابات المعاصرة۔ ناشر: جامعہ سلفیہ، بنارس۔
٥: الثقافة الإسلامية والمسلمون.
٦: مسئولية الشباب المسلم في العصر الحاضر.
٧: قراءة في كتاب الحالة الخلقية في العالم الإسلامي للأستاذ أسرار عالم۔ یہ کتاب بھی مجلّہ صوت الامہ کی ۱۹۹۶ء بارہ قسطوں میں شائع ہوئی۔
٨: أزمة الخليج في ميزان الشرع والعقل۔ ناشر: جامعہ سلفیہ، بنارس۔
٩: القاديانية والاستعمار۔ یہ رسالہ مجلّہ جامعہ سلفیہ میں تین قسطوں میں شائع ہوا۔
١٠: ماذا يقولون وكيف يفكرون مجلّہ صوت الامہ ۱۹۹۶ء میں تین قسطوں میں شائع ہوا۔
١١: اتجاهات الديانات الى السعادة أو الشقاوة۔ مجلّہ صوت الامہ ۱۹۹۶ء میں تین قسطوں میں شائع ہوا۔
١٢: الدعوة الإسلامية في الهند: متطلبات ومقترحات (مجلّہ صوت المہ ۱۹۹۵ء) تین قسطوں میں شائع ہوا۔

۱۳: فضل العلم في الكتاب والسنة ومسئوليات العلماء فى هذا العصر۔ یہ چار قسطوں میں مجلّہ صوت الامہ میں ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا۔

١٤: فتویٰ علماء المسلمين في شبه القارة الهندية بخروج القادياني وأتباعه من الإسلام۔ مجلّہ صوت الامہ ۱۹۹۹ء کے دوشماروں میں اور ۲۰۰۰ء کے چار شماروں میں اور چھٹی قسط دور شیخ الإسلام محمد حسين البتالوي في مقاومة القادياني ونحلته اور مؤسس حركة ختم النبوة وقادتها ۲۰۰۰ء کے دو قسطوں میں شائع ہوا۔اس طرح سے یہ رسالہ آٹھ قسطوں پر مشتمل ہے۔

١٥: شيخ الإسلام أبوالوفاء ثناء الله الأمرتسري وجهوده في مقاومة القاديانية۔ چار قسطوں میں مجلّہ صوت الامہ ۲۰۰۰ء، ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا۔

١٦: جهود شيخ الإسلام أبي الوفاء الأمرتسري في العالم العربي۔ تین قسطوں میں مجلّہ صوت الامہ ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا۔

۱۷: تعريف بكتاب الجيب المحمدي۔ (محمدیہ پاکٹ بک) چار قسطوں میں مجلّہ صوت الامہ ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا۔

۱۸: الإسلام الذي ندعو إليه۔ (نظرة إلى ميزات الإسلام)۔ چار قسطوں میں مجلّہ صوت الامہ ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا۔

۱۹: السيرة النبوية وأهميتها في الإسلام۔ دو قسطوں میں مجلّہ صوت الامہ ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا۔

۲۰: جهود مخلصة في مقاومة القاديانية۔ پانچ قسطوں میں مجلّہ صوت الامہ ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا۔

۲۱: صور من نشاطات المدارس الإسلامية في الهند۔ ۱۶ اقساط، مجلّہ الجامعہ ۱۹۹۴ء، ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔

۲۲: ماذا يقولون وكيف يفكرون۔ ۱۳ اقساط، مجلّہ الجامعہ ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا۔

تحقیق وتعلیق اور تہذیب واختصار:

۱: كتاب بهجة المجالس لابن عبد البر (تحقيق نصف آخر، مع فهارس كاملة للكتاب من أوله إلى آخره.) یہ پی ایچ ڈی کا مقالہ (تھیس) ہے جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ عربی ادب میں پیش ہوا۔

۲: حصول المأمول في اختصار إرشاد الفحول للشوكاني، اختصار نواب صدیق حسن خاں (اختصار وتعلیق۔ ناشر: جامعہ سلفیہ، بنارس)

۳: فتح المنان في اختصار الاتقان للسيوطي ناشر: جامعہ سلفیہ، بنارس۔

عربی سے اردو میں ترجمہ:

۱: أنــا: عباس محمود عقاد کی خوس نوشت سوانح۔ناشر: جامعہ سلفیہ، بنارس۔

۲: مختصر زاد المعاد للشیخ محمد بن عبدالوہاب۔ناشر: الدار السّلفیہ، بمبئی۔

۳: إصلاح المساجد للشيخ جمال الدين القاسمي۔ ناشر: الدار السّلفیہ، بمبئی۔

۴: رسالت کے سایہ میں۔ تالیف: ڈاکٹر عبدالحلیم عویس۔ ناشر: جامعہ سلفیہ، بنارس۔

۵: راہِ حق کے تقاضے۔ مہذب: اقتضاء الصراط المستقیم لشیخ الاسلام ابن تیمیہ/ تہذیب: الفریوائی۔ناشر: جامعہ سلفیہ، بنارس۔

۶: تیس حکومتوں کے زوال کے اسباب۔ تالیف: ڈاکٹر عبدالحلیم عویس۔ناشر: جامعہ سلفیہ، بنارس۔

۷: خادم حرمین شریفین کا حقیقت افروز بیان۔ناشر: جامعہ سلفیہ، بنارس۔

۸: شاہ عبدالعزیز آلِ سعود؛ ایک عہد ساز شخصیت۔ ناشر: فریوائی اکیڈمی، دہلی۔

۹: اعضاء کی پیوند کاری؛ شرعی نقطہ نظر سے۔ بحث ہیئۃ کبار العلماء، سعودی عرب۔ ناشر: جامعہ سلفیہ، بنارس۔

اردو سے عربی میں تراجم:

۱: رحمة للعالمین۔ تالیف: علامہ سلیمان سلمان منصور پوری۔ مطبوع: الدار السّلفیہ، بمبئی، دو حصے اور تیسرے حصے کا ترجمہ اپنے شاگرد سے کرایا اور اس کی مراجعت کی۔

۲: حركة الانطلاق الفكري وجهود الشاه ولي الله الدهلوي۔ مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کی تحریک آزادی فکر کا عربی ترجمہ۔

۳: الإسلام تشكيل جديد للحضارة۔ تالیف: مولانا محمد تقی الامینی۔ مطبوع: قاہرہ، مصر۔

٤: عصر الإلحاد: خلفية والتاريخية وبداية نهاية۔ تالیف: مولانا محمد تقی الامینی۔ مطبوع: قاہرہ، مصر۔

٥: النظام الإلهي للرقي والنحطاط۔ تالیف: مولانا محمد تقی الامینی۔ مطبوع: قاہرہ، مصر۔

٦: بين الإنسان الطبيعي والإنسان الصناعي۔ تالیف: مولانا محمد تقی الامینی۔ مطبوع: قاہرہ، مصر۔

۷: مسألة حياة النبي ﷺ في ضوء الأدلة الشرعية۔ تالیف: مولانا محمد اسماعیل سلفی، گوجراں والا۔

۸: حجية الحديث الشريف۔ تالیف: مولانا محمد اسماعیل سلفی، گوجراں والا۔

۹: زيارة القبور وحكمها۔ تالیف: مولانا محمد اسماعیل سلفی، گوجراں والا۔

۱۰: النصرانية الحاضرة في ضوء التاريخ والبحث العلمي۔ تالیف: مولانا مصلح الدین اعظمی

۱۱: الشيوعية والإسلام في ميزان العقل۔ تالیف: مولانا مصلح الدین اعظمی۔

فارسی سے عربی میں:

۱: قرة العينين فى تفضيل الشيخين۔ تالیف: شاہ ولی اللہ دہلوی۔ ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث، ہند۔

۲: الاكسير في أصول التفسير۔ تالیف: سیّد نواب صدیق حسن خان بھوپالی

کچھ مزید علمی منصوبے:

ا: رحمۃ للعالمین کے عربی ایڈیشن کے بعد ازہری صاحب نے اس کے اردو نسخے پر بھی نظر ڈالی اور اس کی تحقیق کر کے حافظ احمد شاکر (مالک مکتبہ سلفیہ، لاہور) کو یہ نسخہ بھیجا۔ وہ بھی اس کتاب کی علمی اشاعت کے خواہش مند تھے لیکن ابھی تک یہ محقق ایڈیشن منظر عام پر نہیں آسکا ہے۔

۲: ازہری صاحب کی ایک بڑی خواہش یہ تھی کہ ایک نیا ترجمہ قرآن مع حواشی شائع کیا جائے، اس کے لیے مولانا عبدالوہاب حجازی کو متعین کیا گیا اور ترجمہ کا کام پورا بھی ہوا جس کی مراجعت اور تصحیح کا کام ازہری صاحب کی نگرانی میں پورا ہوا۔ تفسیری حواشی کے بارے میں میری معلومات نامکمل ہیں۔

۳: دارالدعوۃ دہلی کے پروگرام میں تفسیر سعدی کا اردو ترجمہ بھی تھا۔ میں نے اس کام کے لیے آپ سے عرض کیا کہ آپ اس کا ترجمہ املا کرا دیجیے، چنانچہ آپ نے یہ کام املا کی شکل میں شروع کیا اور بعد میں کچھ لکھا بھی لیکن مشغولیت کی بنا پر اس کام کو مولانا ضیاء الحسن سے اپنی نگرانی میں کرایا جو تقریباً ایک تہائی تک پہنچا اور بعد میں اس کی تکمیل دہلی کے دارالدعوۃ کے ارکانِ مجلس علمی نے کی۔

۴: ازہری صاحب کے علمی منصوبوں میں دو منصوبوں کا علم مجھے اور ہے جو نامکمل رہے۔ جامعہ ازہر میں ایم اے کرنے کے بعد آپ نے پروگرام بنایا کہ پی ایچ ڈی کا مقالہ نواب صدیق حسن قنوجی بھوپالی (متوفی: ۱۳۰۷ھ) کے موضوع پر لکھیں گے اور اس کی پوری منصوبہ بندی آپ کے پاس لکھی شکل میں میں نے دیکھی تھی لیکن ہندوستان واپس آجانے کے بعد بات آگے نہ بڑھ پائی۔

۵: اسی طرح سے امام شافعی کی تفسیر کی ترتیب کا کام بھی آپ کے ذہن میں تھا اور اس لیے وہ امام شافعی اور ان کے شاگردوں کی کتابوں کی ورق گردانی بھی کرتے تھے۔ ریاض میں میں نے اس موضوع پر ایک جدید کتاب آپ کی خدمت میں پیش کی تو اس پر خوش ہوئے کہ چلو میں نے نہ سہی کسی نے اس نیک کام کو انجام دیا۔

۶: معارف ابن تیمیہ اور ابن قیم کے تراجم کے سلسلے میں بھی وہ ہمارے پروگرام سے پوری طرح ہم آہنگ تھے بلکہ عملی طور پر اس کے لیے منصوبہ بندی اور مترجمین کے لیے ہدایات بھی آپ نے تحریر فرمائی تھیں، اور آپ کا ذہن پوری طرح تیار تھا کہ اس پروگرام پر محنت ہونی چاہیے۔ مجھے آپ کے اوراق میں یہ بات ملی کہ مستقبل میں آپ فتاویٰ ابن تیمیہ کے اردو میں اختصار کا منصوبہ بنائے ہوئے ہیں۔

۷: ایسے ہی مولانا ثناء اللہ امرتسری کی نصرانیت کے ردّ وابطال کی خدمات پر ایک کتاب لکھ رہے ہیں، اور رحمۃ للعالمین کا اردو میں ایک تحقیقی ایڈیشن تیار کر رہے ہیں جس کا تذکرہ اوپر ہوا۔ رہ گیا شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فتاویٰ کے اختصار کا مسئلہ تو میرے خیال سے منصوبہ اور عناوین کی قلم بندی سے آگے یہ کام نہ ہوسکا۔ اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کی نصرانیت سے متعلق ردّ وابطال پر تالیف کا مجھے کوئی علم نہیں کہ وہ کام کہاں تک پہنچا۔ اور رحمۃ للعالمین کی اشاعت کا مسئلہ حافظ احمد شاکر (لاہور) کے پاس ہے اور میرے خیال میں وہ کتاب اچھے ڈھنگ سے ان شاء اللہ منظر عام پر آئے گی۔

ادارۃ البحوث کی طرف سے تحقیقی کتب کی اشاعت:

ازہری صاحب کو بڑا شوق تھا کہ جامعہ سلفیہ سے حدیث کی اچھی کتابیں تحقیق کے بعد شائع ہوں، چنانچہ اس سلسلے میں جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ میں پڑھنے والے ہم طلباء سے کافی مشورے ہوئے۔ یہ بات طے پائی کہ الکامل لابن عدی کی تحقیق ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر محمود میرہ، استاد حدیث جامعہ اسلامیہ کا تعارف بھی رہا۔ لیکن مخطوطات کے فوٹو کے علاوہ عملاً اس میں کوئی پیش رفت نہ ہو پائی اور اس دوران اس کا ایک ایڈیشن بھی بازار میں آ گیا۔ پھر فتح المغيث في شرح ألفية الحديث للعراقي۔ تالیف: حافظ سخاوی کے مخطوطات اکٹھے کیے گئے اور اساتذہ کی مدد سے اس کام کی ابتدا ہوئی۔ لیکن اساتذہ اس سلسلے میں زیادہ مفید ثابت نہیں ہوئے تو آپ نے اپنی نگرانی میں جامعہ کے ایک فاضل اور وہیں کے مدرس مولانا حسین احمد سلفی سے یہ کام کرایا اور الحمد للہ یہ کتاب پانچ جلدوں میں شائع بھی ہوئی۔

عربی اور اردو میں مقالہ نویسی:

ازہری صاحب نے اردو اور عربی دونوں زبانوں میں بہت سارے مقالات لکھے جن میں سے اکثر جامعہ سلفیہ کے عربی اور اردو مجلّات، نیز طلباء کی انجمن کے مجلّہ المنار میں شائع ہوئے۔ اس کے علاوہ معارف اعظم گڑھ، ترجمان دہلی، اہل حدیث دہلی، افکار عالیہ مئو، دعوت دہلی، برہان دہلی اور قومی مورچہ بنارس، روزنامہ سارا اور دوسرے دینی اداروں سے شائع ہونے والے مجلّات میں شائع ہوئے۔ ہمارے سامنے ایک فہرست ہے جس کو عزیزانِ گرامی ڈاکٹر فوزان بن مقتدیٰ حسن اور مولانا محفوظ الرحمٰن سلفی لائبریرین جامعہ سلفیہ نے تیار کیا ہے، جن میں ۱۹۶۹ء سے ۲۰۰۶ء تک ۳۰۴ عربی مقالوں کا ذکر ہے، اور ۱۹۶۳ء سے ۲۰۰۷ء تک شائع ہونے والے ۱۷۸ اردو مقالات کا ذکر ہے۔ اسی فہرست کے مطابق ۴۸ عربی کتابوں پر مقدمہ لکھنے کا ذکر ہے، اور ۷۹ اردو کتابوں پر لکھے ہوئے مقدموں کا تذکرہ ہے اور ۳ انگریزی کتابوں پر اور ۴ ہندی کتابوں پر اور جامعہ سلفیہ سے باہر چھپنے والی ۲۲ کتابوں پر انھوں نے مقدمے لکھے، ۲۱ کانفرنسوں کے لیے مقالات لکھے جن میں سے ۵ کانفرنسوں میں مقالات بھیجے اور ان میں شرکت نہیں کی اور ۹ بڑی بڑی کانفرنسوں

کے انعقاد میں سرگرم حصہ لیا۔

واضح رہے کہ یہ فہرست مقالات جامعہ سلفیہ کے مجلّات وغیرہ سے مرتب کی گئی ہے۔ بعض ذاتی معلومات سے اس پر بھی اضافے کی گنجائش ہے، مثلاً: دارالدعوۃ، دہلی اور جامعہ ابی ہریرہ الاسلامیہ (دارالدعوۃ، لال گوپال گنج، الہ آباد) میں پڑھے جانے والے کم از کم چار مقالات ایسے ہیں جن کا ذکر اس فہرست میں نہیں آیا ہے۔

مولانا عبدالوحید ناظم جامعہ سلفیہ، مرکزی جمعیت اہل حدیث کے امیر منتخب ہوگئے تو جمعیت کے مسائل سے بھی ان کا گہرا تعلق ہوگیا۔

درمیانی عہد میں ۱۹۷۸ء سے پہلے ہی شیخ انیس الرحمٰن اعظمی شیخ الجامعہ کے دست راست بنے، ان کو بھی ازہری صاحب کی تائید حاصل تھی۔ آزاد صاحب کی وفات کے بعد مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری نے مجلّہ محدث کی ذمہ داری قبول کی۔ ۱۹۷۲ء میں فراغت کے بعد ۱۹۷۳ء میں میرا تقرر جامعہ سلفیہ میں ہوگیا۔ میرے ذمہ پریس، مکتبہ اور مجلّہ وغیرہ کی دیکھ بھال کی ذمہ داری تھی۔ اسی سال مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری تشریف لائے۔ اسی سال ناظم صاحب، یعنی مولانا عبدالوحید عبدالحق رحمہ اللہ سے حج کے لیے تشریف لے گئے۔ مجھے جو ذمہ داری دی گئی وہ اوپر مذکور ہوئی۔ لکھنے پڑھنے کے اعتبار سے ازہری صاحب نے ناظم صاحب کے مشورے سے مجھے حکم دیا کہ میں مجلّہ اہل حدیث اور دوسرے مجلّات کی فائلوں سے مولانا ثناء اللہ امرتسری کی قادیانیت کے ردّ وابطال کی کوششوں پر مواد فراہم کروں، چنانچہ میں نے بعض فائلیں اس مقصد کے لیے اپنے کمرے میں منگوا لیں۔ لیکن جب مولانا صفی الرحمٰن صاحب آگئے تو اِس منصوبے پر ان کو کام کرنے کے لیے کہا گیا، چنانچہ حاصل مطالعہ کے طور پر مولانا صفی الرحمٰن نے اس موضوع پر دو کتابیں شائع کی: ایک ''قادیانیت اپنے آئینے میں'' اور دوسری ''قادیانیت کے ردّ وابطال میں مولانا امرتسری کی جدوجہد''

آزاد صاحب کی رحلت کے بعد ''محدث'' کی ذمہ داری مولانا صفی الرحمٰن کے ہاتھ میں آئی۔ اور ۱۴۰۸ء کے ابتدائی مہینوں تک آپ محدث کے ایڈیٹر رہے۔ ان کے مرکز السنہ والسیرۃ مدینہ میں باحث کی حیثیت سے منتقل ہونے کے بعد مجلّہ محدث کے ایڈیٹر مولانا عبدالوہاب حجازی کو بنایا گیا۔

صوبائی اور مرکزی جمعیت اہل حدیث کے پلیٹ فارم سے ضلعی اور مقامی جمعیت اہل حدیث سے میرے خیال میں ازہری صاحب کا تعلق صرف ان کے پروگراموں میں شرکت کرنے اور تقریر کرنے تک محدود رہا۔ لیکن صوبائی جمعیت اہل حدیث اتر پردیش کا دفتر شہر کے قلب دال منڈی میں تھا اور اس کے ناظم مولانا عبدالقادر انور بستوی تھے جو اب تک اس کے ناظم ہیں لیکن اب بنارس سے یہ آفس الحمدللہ لکھنو منتقل ہوچکا ہے۔

صوبائی جمعیت کے پروگراموں کی ترتیب وتنسیق میں ناظم صاحب سے قربت کی وجہ سے اور بنارس میں اس کے آفس کی وجہ سے کافی رہا، اور مولانا انور صاحب ہمیشہ ڈاکٹر صاحب سے مشورہ لیتے نظر آئے۔ باقی مجالس میں بھی ان کی فعال شرکت ہوتی تھی۔ جامعہ سلفیہ کے دارالحدیث ہال میں ایک میٹنگ ہوئی جس میں مجھ کو شرکت کی دعوت ملی۔ اس جلسے میں مولانا صفی الرحمٰن صاحب مبارکپوری کے مدینہ جانے کے بعد صوبائی امیر کے انتخاب کا مسئلہ تھا۔ اثنائے گفتگو میں نے کچھ گزارشات کیں تو ازہری صاحب نے ہاتھ کے اشارہ سے مجھے چپ رہنے اور کارروائی کو آگے بڑھانے کی بات کہی اور اساتذہ مسکرا کر رہ گئے۔ میں نے ایک تجویز یہ پیش کی کہ صوبائی جمعیت کا آفس لکھنو، کانپور اور الہ آباد جیسے یو پی کے اہم شہروں میں ہونا چاہیے۔ جامعہ سلفیہ وجامعہ رحمانیہ اور ضلعی جماعت اہل حدیث کی بنارس میں موجودگی کی وجہ سے یہاں صوبائی جمعیت کے آفس کا کوئی فعال کردار نہ ہوگا جب کہ مذکور شہروں میں سے کسی شہر میں اس کے آفس کے قیام سے وہاں جماعت متحرک ہوسکتی ہے۔ الحمد اللہ، ایک لمبی مدت کے بعد اس وقت مشرقی یو پی کا آفس لکھنو

میں ہے اور بنارس کے آفس سے زیادہ فعال، مفید اور مؤثر ہے۔

ازہری صاحب اور ڈاکٹر عبدالعلی الاعظمی ناظم صاحب کی مدت امارت میں مجلس عاملہ کے ممبر بنائے گئے۔ ناظم صاحب کے امیر جمعیت بننے کے بعد عملاً لکھنے پڑھنے اور جماعت کی تنظیم کے مسائل کی ذمہ داری جامعہ سلفیہ کے اساتذہ نے نبھائی جن میں ازہری صاحب نیز مولانا صفی الرحمٰن قابل ذکر ہیں۔

جماعت کے مختلف چھوٹے بڑے اجتماعات میں محترم ناظم صاحب کے خطبہ صدارت اوامارت کی ترتیب وتسوید کا کام ڈاکٹر صاحب کرتے تھے اور ناظم صاحب سے پہلے اور بعد میں مشورہ کرتے۔ میرے اندازے کے مطابق ابتدائی چند سالوں کے علاوہ بعد میں ناظم صاحب کے نام سے چھپنے والی ساری تحریریں ازہری صاحب کے قلم سے نکلی ہیں۔

کئی اجتماعات میں مجھے بھی دہلی جانا ہوا جن میں سے ایک اجتماع جمعیت شبان اہل حدیث اور حرمت حرمین کانفرنس وغیرہ ہیں۔

دعوتی اور تعلیمی کانفرنسیں اور اجتماعات:

جماعت کے پلیٹ فارم سے معیاری بڑے جلسوں کے انعقاد کا کام جامعہ سلفیہ کے اہم کارناموں میں سے ایک ہے جس سے جامعہ کے مسلک اور تعارف کی اشاعت کا کام بہت خواب ہوا اور اندر اور باہر کے ہر طرح کے اداروں اور افراد سے جامعہ اور جماعت اور افراد جماعت کے تعلقات استوار ہوئے اور اس سے فی الجملہ تعلیم ودعوت اور مسلک کی اشاعت کا کام آگے بڑھا۔ ان سبھی اجتماعات کے انتظام میں اور اس کی مناسبت سے مختلف اشتہارات، پمفلٹ اور رسائل اور بعض جماعتی تعارف کے وقیع کام خود ازہری صاحب نے کیے، اور کئی کام اساتذہ کے اشتراک سے ہوئے۔ ترحیبی کلمات اور سپاس ناموں کو اگر اکٹھا کیا جائے تو یہ خود ایک اچھی کتاب بن جائے گی۔

ایسے ہی جامعہ کے تعارف اور مکتبہ سے متعلق پمفلٹ وغیرہ کو اگر اکٹھا کیا جائے تو بہت ساری مفید معلومات فراہم کی جاسکتی ہیں جس سے جماعت اور جامعہ کی تاریخ پر کام کرنے والے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

بقیہ...... تفسیر سورہ یٰسٓ

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ [آل عمران: ۳۱]

''کہہ دے: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔''

رسول دنیا میں تشریف لائے۔ انھوں نے لوگوں کو اپنا تعارف کرایا مگر ان کے پاس کوئی ظاہری عظمت نہ تھی، اس لیے لوگوں نے ان کی قدر ومنزلت نہ پہچانی مگر قیامت کے دن ان کی عظمت ظاہر ہوگی۔ اللہ کے نزدیک ان کی عظمت ومرتبت کو وہ معلوم کریں گے اور خیال کریں گے کہ یہ رسول دنیا میں ایک اللہ کی عبادت کے معمولی کام کی دعوت دیتے تھے جس کا نفع ہمیں ہی حاصل ہونا تھا، جب کہ وہ اس دعوت پر کوئی اُجرت طلب نہیں کرتے تھے، تب انھیں سخت ندامت ہوگی کہ انھوں نے رسول سے رُوگردانی ہی نہیں کی بلکہ اس کا مذاق بھی اڑایا۔ اس کے درپے آزار ہوئے، اس کے استخفاف میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اپنی انھی حرکتوں کے نتیجے میں وہ کف افسوس ملیں گے۔

امام رازی رحمہ اللہ کی اس تمثیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ حسرت اور ندامت کا یہ اظہار منکرین قیامت کے دن کریں گے جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا ہے۔

سیرت وسوانح

بابائے تبلیغ مولانا محمد عبداللہ گورداس پوری رحمہ اللہ

مولانا محمد رمضان یوسف سلفی، فیصل آباد

بابائے تبلیغ حضرت مولانا محمد عبداللہ گورداس پوری رحمہ اللہ برصغیر پاک وہند کے نامور اہل حدیث عالم دین تھے۔ انھوں نے دعوت و تبلیغ کے میدان میں اپنی خطیبانہ صلاحیتوں، بلند آہنگ خطابت اور حکیمانہ اسلوب وعظ سے لوگوں کو توحید وسنت کا عامل بنایا اور انھیں ''صراط مستقیم'' دکھا کر نیک نام ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد عبداللہ صاحب کو علم وعمل کا حظ وافر عطا کیا اور بے پناہ اوصاف وکمالات سے نوازا تھا۔ آپ جماعت اہل حدیث کے لیے عظیم سرمایہ تھے۔ گذشتہ صدی کی جماعتی تاریخ انھیں نہ صرف یہ کہ ازبر تھی بلکہ بہت سے واقعات کے آپ عینی شاہد تھے۔ جب زبان کو حرکت دیتے تو اکابر کے واقعات بیان کرتے چلے جاتے۔ شیخ الاسلام فاتح قادیان حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے تربیت یافتہ اور ان سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے اور ان سے متعلق نادر معلومات اور واقعات بھی فراہم کرتے۔ بلاشبہ ہمارے یہ بزرگ معلومات کا بحر ذخار اور ہماری جماعتی تاریخ کا چلتا پھرتا انسائیکلو پیڈیا تھے۔ بڑے ہی شگفتہ مزاج، لطیفہ گو، مرنجاں مرنج اور باغ و بہار طبیعت کے مالک تھے۔ عبوست و یبوست سے کوسوں دور رہتے۔ ان کی بذلہ سنجی اور خوش طبعی کے قصے زبان زد عام ہیں۔

نہایت بااخلاق، بلند کردار، نیک طینت، شریف النفس، خوش گفتار، مہمان نواز اور منکسر المزاج عالم دین تھے۔ وہ میرے بہت ہی پیارے اور محترم بزرگ دوست تھے۔ ان سے عقیدت ومحبت کا ناطہ ربع صدی تک قائم رہا۔ میں نے پہلی بار انھیں ۱۹۸۸ء کے ماہ ستمبر کے وسط میں دیکھا تھا۔ وہ مولانا بشیر احمد صدیقی رحمہ اللہ کی تعزیت کے سلسلے میں منعقدہ کانفرنس میں تشریف لائے تھے۔ یہ تعزیتی جلسہ سمن آباد فیصل آباد کے بلال پارک (کوئلے والی گراؤنڈ) کے مشرقی کونے پر مولانا بشیر صدیقی کے گھر کے قریب ہوا تھا۔ میں سٹیج کے قریب بیٹھا ہوا تھا کہ مولانا عبداللہ صاحب مائیک پر آئے۔ میانہ قد، متناسب جسم، سفید داڑھی، نظر کے چشمے کے پیچھے ذہانت کی غماز چمکتی آنکھیں، سر پر کلے کے اوپر سفید طرے دار پگڑی، سفید شلوار اور قمیص اوپر سے واسکٹ زیب تن، پاؤں میں کھسہ۔ انھوں نے اپنی کڑک دار آواز میں السلام علیکم کہا۔ خطبہ مسنونہ پڑھ کر انھوں نے علم اور عالم دین کی عظمت بیان کرتے ہوئے مولانا بشیر صدیقی مرحوم کو خراج تحسین پیش کیا اور ان کی دینی خدمات کو سراہا، پھر گویا ہوئے کہ لوگو! اپنے بچوں کو دین پڑھاؤ اسی میں تمھاری نجات ہے۔ اثنائے گفتگو میں انھوں نے اپنی دینی تعلیم کے متعلق بتایا کہ وہ نویں کلاس میں پڑھتے تھے کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی تقاریر سے متاثر ہو کر دینی تعلیم کی طرف آئے اور آج اللہ نے یہ مقام دیا ہے۔ مولانا عبداللہ صاحب کا یہ وعظ کوئی گھنٹہ بھر جاری رہا۔ لوگ از حد متاثر ہوئے اور انھوں نے بھی دوران تقریر اپنی شیریں گفتار سے سامعین کو خوب محظوظ کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے ان کا وعظ سنا۔ مجھے شروع دن سے ہی تاریخ سے دلچسپی رہی ہے اور مولانا عبداللہ صاحب کی تقریروں میں میرے ذوق کا بہت سا مواد موجود تھا۔ اس کے بعد میں نے اپنے ذوق کی تسکین کے لیے ان کی بہت سی تقریریں سنیں۔

۳/ مارچ ۱۹۹۹ء کو جماعت کے عظیم نغز گو شاعر اور مصنف مولانا عبدالرحمان عاجز مالیر کوٹلوی نے فیصل آباد میں وفات پائی۔ ان سے میرے قریبی دوستانہ مراسم تھے۔ ان کی وفات پر میں نے ایک مضمون لکھا جو ''الاعتصام'' لاہور کی دو اشاعتوں میں شائع ہوا۔ مولانا

عبداللہ صاحب نے وہ مضمون پڑھا اور متاثر ہوئے۔ ۶/ اگست ۱۹۹۹ء کو مولانا صاحب مرکزی جامع مسجد اہل حدیث، امین پور بازار، فیصل آباد میں انعقاد پذیر سالانہ سیرت النبی ﷺ کانفرنس میں تشریف لائے۔ میں ان دنوں دینی کتابوں کی ایک دکان میں ملازم تھا۔ مولانا تقریر کر کے رات ایک بجے مسجد سے نیچے آئے تو مکتبہ میں تشریف لائے۔ حال احوال کے بعد مجھے پوچھنے لگے: کاکا! تیراناں کی اے؟ میں نے بتایا: محمد رمضان یوسف سلفی۔ کہنے لگے: ایک بار پھر بتاؤ۔ میں نے دوبارہ اپنا نام بتایا تو فرمانے لگے: مولانا عبدالرحمان عاجز پر الاعتصام میں مضمون تم نے لکھا تھا؟ میں نے ادب سے عرض کیا: جی ہاں، میں نے لکھا تھا۔ یہ سن کر مولانا عبداللہ صاحب خوش ہوئے اور کہنے لگے: بہت خوب...... انھوں نے میرے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا اور تھپکی دی اور بہت اچھے الفاظ میں میری حوصلہ افزائی کی اور فرمانے لگے: مولانا عاجز مرحوم پر میں بھی کچھ لکھنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن تمھارا مضمون اتنا اچھا تھا کہ میں نے نہ لکھنے کا فیصلہ کیا کہ میں اس سے اچھا نہیں لکھ سکوں گا۔ یہ مولانا صاحب کی راقم پر شفقت اور میرے بارے حسن ظن تھا۔ اس ملاقات کے بعد ان سے میرے گہرے دوستانہ مراسم قائم ہو گئے۔ وہ فیصل آباد تشریف لاتے تو ٹیلی فون سے اپنی آمد کی اطلاع دیتے اور مکتبہ رحمانیہ پر تشریف لا کر ملاقات کا شرف بھی بخشتے۔ نومبر ۲۰۰۱ء میں وہ فیصل آباد تشریف لائے۔ کلیہ دارالقرآن والحدیث جناح کالونی میں تقریب بخاری کے موقع پر رات کو ان کی تقریر تھی۔ میں بھی سامعین میں تھا۔ مولانا دوران تقریر تاریخی واقعات سنا رہے تھے کہ کہنے لگے: رمضان سلفی یہاں ہے؟ میں نے ہاتھ بلند کر کے اپنی موجودگی کو ظاہر کیا تو مولانا فرمانے لگے: سلفی! سٹیج پر آ کر بیٹھو۔ یہ سلفیوں کا سٹیج ہے۔

میں دوبار بورے والا ان کے ہاں گیا۔ وہ بڑی محبت سے پیش آئے اور بڑی مہمان نوازی کی۔ چند سال پہلے ہمارے دوست مولانا سعید احمد چنیوٹی نے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کا ''سفر نامہ حجاز'' ان کے اخبار اہل حدیث امرتسر سے مرتب کر کے شائع کیا۔ ان دنوں مولانا عبداللہ صاحب نے مجھے فون کیا۔ میں نے ان کو اِس سفرنامے کے متعلق بتایا تو وہ بے چین ہو گئے اور فرمانے لگے کہ میں اپنے نواسے کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں، اس کو یہ سفرنامہ دے دیں، میری دوپہر اچھی گزرے گی۔ کیوں کہ وہ شیخ الاسلام کے ارادت مند تھے اور ان کی تحریریں بہ صد شوق پڑھتے تھے۔

وہ کھلے ظرف اور اعلیٰ اخلاق کے انسان تھے۔ باوجود تنظیمی اختلاف کے اکابرین جماعت کا بڑا احترام کرتے۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں ایک بار جماعت غرباء اہل حدیث کے امام مولانا حافظ عبدالستار محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنے ارادت مندوں سے ملنے بورے والا تشریف لائے۔ مولانا عبداللہ صاحب کو ان کی آمد کا علم ہوا تو وہ بہ نفس نفیس امام صاحب کی خدمت میں پہنچے اور اصرار کر کے ان کو اپنی مسجد میں لے آئے اور کئی دن تک انھیں نہایت عزت اور احترام سے اپنے ہاں رکھا۔ مرحوم کے صاحب زادے محترم ڈاکٹر محمد سلیمان اظہر (المعروف ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ) نے راقم کو بتایا کہ ان دنوں مجھے امام عبدالستار رحمہ اللہ کی خدمت کا موقع ملا تھا، بلا شبہ وہ اسلاف کی یادگار تھے۔ میرے دوستانہ مراسم ان سے بھی تھے، ان کے بیٹے ڈاکٹر بہاء الدین سے بھی ہیں اور ان کے پوتے سہیل اظہر سے بھی۔

اب آیئے ان کے حالات و واقعات کی طرف۔ یہ وہ معلومات ہیں جو ہمیں یا تو مولانا عبداللہ صاحب سے بالمشافہ ملاقاتوں سے حاصل ہوئی ہیں۔ اور کچھ باتیں ہم نے اپنے مرشد عالی قدر مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ کی ''بزم ارجمنداں'' سے مستعار لی ہیں۔

مولانا عبداللہ صاحب ۱۹۱۶ء میں ضلع گورداس پور (بھارت) کے ایک مقام ''وڑانچ'' میں پیدا ہوئے۔ والد کا اسم گرامی حکیم امام الدین تھا جو علمائے کرام اور واعظین عظام کی عزت و توقیر میں اس نواح میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ نیک اور صالح تھے۔ ان کا یہ بچہ کچھ بڑا ہوا تو انھوں نے اسے سرکاری سکول میں داخل کرا دیا جہاں بچے نے مڈل کا امتحان امتیازی نمبروں کے ساتھ پاس کیا۔ بعدازاں خالصہ ہائی اسکول بھاگووال میں داخل کرا دیا گیا۔ مولانا عبداللہ

صاحب نویں جماعت کے طالب علم تھے کہ ان کے علاقے میں ایک بہت بڑا تبلیغی جلسہ ہوا۔ وہ اس میں شریک ہوئے اور انھوں نے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی تقریریں سنیں۔ وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ سکول کی تعلیم چھوڑ کر دینی تعلیم کی طرف راغب ہو گئے۔ انھیں بٹالہ میں قائم مدرسہ دارالسلام میں داخل کرا دیا گیا۔ یہ مدرسہ وہاں کی انجمن خادم المسلمین کے زیر انتظام تھا اور اس میں حضرت مولانا عطاء اللہ شہید رحمہ اللہ، جو کہ اس علاقے کے جید عالم دین تھے، فریضۂ تدریس ادا کرتے تھے۔ ان نیک اور متقی عالم دین کو اگست ۱۹۴۷ء میں سکھوں نے شہید کر دیا تھا۔ یہ بزرگ عالم دین، تفسیر، حدیث، منطق، صرف نحو اور دیگر اسلامی علوم میں کامل دَرک رکھتے تھے۔ ان سے کئی طلباء نے اکتساب علم کیا اور پھر وہ نام ور ہونے کے ساتھ نیک نام بھی ہوئے۔

مولانا عطاء اللہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں مولانا عبدالعزیز سعیدی، مولانا اسماعیل ذبیح، مولانا عبدالعظیم انصاری، حافظ عبدالحق صدیقی اور مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف جیسے علماء کے نام ملتے ہیں۔ ہمارے ممدوح حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب بھی اسی یگانہ روزگار عالم دین کے نہایت لائق اور چہیتے شاگرد تھے۔ انھوں نے درس نظامی کی مکمل تعلیم مولانا عطاء اللہ شہید سے حاصل کی۔ ذہین طباع طالب علم تھے۔ ذہن رسا پایا تھا، جو پڑھتے ازبر ہو جاتا۔ نیک طینت استاد کو اپنے اس شاگرد پر ناز تھا اور وہ اسے اپنے گھر کا ایک فرد سمجھتے تھے۔ مولانا عطاء اللہ شہید کے صاحب زادے حافظ محمد سلیمان صاحب ایم اے میرے نہایت پیارے بزرگ دوست تھے۔ وہ میرے قریبی محلّہ میں ہی اقامت پذیر تھے، ان سے اکثر ملاقات رہتی۔ وہ تصنیف و تالیف کا بڑا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ عرصہ دراز تک محکمہ تعلیم میں آفیسر رہے۔ انھوں نے ۲۹/ اگست ۲۰۰۸ء کو فیصل آباد میں وفات پائی۔ انھوں نے تین کتابیں؛ درود و سلام، توحید پر ایمان، شرک سے بیزاری پر ایک کتاب اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم تصنیف کی۔ ان کا بیان ہے کہ مولانا عبداللہ صاحب میرے والد مولانا عطاء اللہ صاحب کے لاڈلے شاگرد تھے اور انھیں ہمارے گھر کا فرد ہی سمجھا جاتا تھا۔ مدرسہ میں دوسرے طلباء سے ان کو ذہانت و فطانت اور علمی استعداد کے باعث امتیازی حیثیت حاصل تھی اور یہ اپنی ہنس مکھ طبیعت سے رونق لگائے رکھتے تھے۔

مولانا محمد عبداللہ آخر میں حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور ان کے دورۂ تفسیر میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کی۔ تحصیل علم کے بعد وہ دعوت و تبلیغ کے میدان میں نکلے اور جو علم انھوں نے حاصل کیا تھا اسے لوگوں تک پہنچانا اپنے اوپر فرض کر لیا۔ ۱۹۳۷ء میں انھوں نے ولن مل دھاریوال سے اپنی خطابت کا آغاز کیا اور ۱۹۴۷ء تک دس سال آپ ولن مل دھاریوال کی مسجد کے امام و خطیب رہے۔

۱۴/ اگست ۲۰۰۲ء کو میں بورے والا مولانا عبداللہ صاحب کی خدمت میں ان کے صاحب زادے حافظ لقمان سلفی مرحوم کی تعزیت کے لیے حاضر ہوا۔ نماز ظہر پڑھ کر ان کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ خیر و عافیت کے تبادلے کے بعد وہ پرانے واقعات سنانے لگے۔ ان کی بہت بڑی خوبی تھی کہ انھیں سینکڑوں واقعات من وعن یاد تھے اور ۶۰، ۷۰ سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود وہ واقعات ان کے ذہن پر نقش تھے۔ بابا جی اپنے استاد گرامی مولانا عطاء اللہ مرحوم کا تذکرہ کرتے ہوئے بتانے لگے کہ ایک بار استاد محترم ولن مل دھاریوال تشریف لائے۔ جمعہ کا دن تھا میں نے ان کی خدمت میں گذارش کی کہ وہ ازراہ کرم جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمائیں، چنانچہ استاد جی نے خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ انھوں نے اٹھارہویں پارے کا ابتدائی رکوع پڑھا جس کی ابتدا ﴿قد افلح المومنون﴾ سے ہوتی ہے۔ ان آیات کی تفسیر انھوں نے بڑے عام فہم انداز میں بیان کی جسے سن کر لوگ ازحد متاثر ہوئے۔ وہ سردیوں کے دن تھے اور استاد جی نے کھیس اوڑھ رکھا تھا، ان کی سادگی اور شخصیت میں بڑا رعب تھا۔

مولانا محمد عبداللہ صاحب ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک ولن مل دھاریوال کی مسجد میں فریضۂ خطابت ادا کرتے رہے۔ اگست ۱۹۴۷ء میں مشرقی

پنجاب کے سکھوں نے مسلمانوں کو قتل و غارت کا نشانہ بنایا تو وہ اپنے خاندان کے ہم راہ براستہ ڈیرہ بابا نانک پاکستان میں داخل ہوئے۔ مختلف شہروں سے ہوتے ہوئے رائے ونڈ آئے یہاں ان کے برادر نسبتی قیام پذیر تھے۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی ''بزم ارجمنداں'' میں لکھتے ہیں:

''مولانا کا قافلہ پچاس ساٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ ایک بہت بڑی حویلی ان کے برادر نسبتی کے قبضے میں تھی۔ مولانا عبداللہ اور ان کے ساتھیوں نے اسی حویلی میں پڑاؤ کیا۔ اس وقت عیدالاضحیٰ میں چار دن باقی تھے۔ مولانا نے چالیس روپے میں قربانی کے لیے گائے خریدی۔ رائے ونڈ میں اس وقت ایک ہی مسجد تھی جس کی رجسٹری حاجی محمد عاشق کے نام تھی اور وہ اہل حدیث مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا عید کی نماز پڑھنے مسجد میں گئے تو ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔ حاجی محمد عاشق کو کسی نے کہہ دیا کہ یہ عالم دین ہیں۔ حاجی صاحب ان کے پاس آئے اور عید پڑھانے اور خطبہ ارشاد فرمانے کی درخواست کی، چنانچہ انھوں نے نماز عید پڑھائی اور خطبہ دیا۔ خطبے کا موضوع ''حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ہجرت اور ان کا جذبۂ قربانی'' تھا۔ سامعین میں اکثریت مشرقی پنجاب سے آنے والے لوگوں کی تھی اور ترک وطن کے زخم ابھی تازہ تھے۔ تقریر کے الفاظ و انداز کی اثر پذیری سے ہر آنکھ پرنم تھی اور ہر دل تڑپ رہا تھا۔ نماز عید کے بعد مولانا اپنی رہائش گاہ پر تشریف لائے اور گائے کی قربانی میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو دیکھا کہ حاجی محمد عاشق ریڑھی لیے کھڑے ہیں جس پر ایک بوری آٹے کی اور ایک بوری چاولوں کی ہے، کہا: یہ حقیر سی خدمت قبول فرمایئے۔ ساتھ ہی پانچ سو روپے نقد عنایت کیے۔ یہ بہت بڑی مدد تھی جو اس وقت انھوں نے فرمائی اور لٹے پٹے قافلے کو سہارا دیا۔'' (بزم ارجمنداں، ص: ۶۰۸)

مولانا محمد عبداللہ صاحب کچھ عرصہ رائے ونڈ میں قیام پذیر رہے اور کچھ عرصہ جامع مسجد فریدیہ اہل حدیث قصور میں خطابت کے فرائض سرانجام دیے۔ ۱۹۴۹ء میں آپ جماعت اہل حدیث بورے والا کے اصرار پر بورے والا تشریف لے آئے۔ انھوں نے بورے والا کی جامع مسجد اہل حدیث میں جو پہلا خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اس میں سورۃ العصر کی تفسیر بیان کی جسے سامعین نے بہت پسند کیا۔ ان دنوں یہ مسجد بہت چھوٹی تھی، مولانا محمد عبداللہ صاحب کی کوششوں سے اب بہت وسیع ہو گئی ہے اور اسے چند سال پہلے از سر نو خوب صورت انداز میں تعمیر کیا گیا ہے۔

مولانا محمد عبداللہ صاحب بلند آہنگ خطیب تھے۔ ان کے وعظ کی اثر آفرینی سے ہزاروں لوگ راہ راست پر آ چکے ہیں۔ وہ عام فہم انداز میں بڑی پیاری گفتگو کرتے اور علم و حکمت کے موتی بکھیرتے چلے جاتے۔ عالم پیری میں بھی ان کی خطابت کی بڑی دھوم تھی۔ لوگ ان کا وعظ سننے دور دور سے دیوانہ وار چلے آتے۔

قرآنی خدمات:

اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد عبداللہ صاحب کو علم و عمل کے ساتھ تفقہ فی الدین اور قرآن فہمی سے بھی خوب نوازا تھا۔ آپ نے نماز فجر کے بعد چار بار قرآن مجید کی مکمل تفسیر بیان کی۔ آپ صبح کے درس قرآن کے لیے باقاعدہ تیاری کر کے آتے تھے۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب کا بیان ہے کہ بندہ نومبر ۱۹۴۹ء کو رائے ونڈ سے بورے والا آ گیا۔ زادِ راہ ایک کتاب (تفسیر ابن کثیر، طبع مصر کی جلد اول) تھی۔ ان دنوں بورے والا میں صرف جھگی نما ایک چھوٹی سی کچی مسجد تھی۔ بجلی وغیرہ بھی یہاں نہیں تھی۔ دیسی سرسوں کے تیل کے دیے کی روشنی میں بعد نماز فجر قرآن پاک کا درس شروع کیا گیا۔ بلاناغہ درس کے باوجود ۱۰ سال میں تفسیر قرآنِ مجید کی تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کے شکریے پر حاضرین کی دعوت کی گئی۔ اور دودھ، چائے اور مٹھائی سے تواضع کی گئی۔ الحمدللہ

دوسری بار ۱۹۵۹ء میں درس قرآن کا آغاز کیا گیا۔ اب کتابوں کی فراہمی بھی کچھ آسان ہو گئی تھی۔ مالی طور پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کی برکت سے خوش حالی عطا کر دی۔ تفسیر خازن، تفسیر کبیر، تفسیر ابن جریر، فتح القدیر، جلالین، جامع البیان اور دیگر مکاتب فکر کے علماء کے تراجم بھی مہیا ہو گئے تھے۔ اب تفسیر ابن کثیر اور دیگر تفاسیر و تراجم کی معاونت سے بارہ سال میں ۱۹۷۱ء میں دوسری بار درس قرآن میں

قرآن پاک کو مکمل کیا۔

تیسری بار ۱۹۷۲ء میں ابتدا سے درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا گیا جو تبلیغی پروگراموں میں مصروفیت کے باوجود ۱۹۸۵ء میں تکمیل کو پہنچا۔

چوتھی بار ۱۹۸۵ء میں ترتیب سے درس قرآن کا آغاز ہوا۔ اب مولانا محمد عبداللہ صاحب کی بینائی کم ہو چکی تھی، انھوں نے آنکھوں کا آپریشن کروایا اور نظر کا چشمہ لگا کر درس قرآن ارشاد فرماتے رہے اور ۱۹۹۷ء میں درس قرآن میں مکمل قرآن مجید کا درس ختم کیا۔

مولانا محمد عبداللہ صاحب عالم پیری میں نظر کی کم زوری، بڑھاپے، نقاہت اور دیگر کچھ عوارض کے باوجود عزم جواں رکھتے تھے۔ قرآن کریم سے محبت ان کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے تھی۔ انھوں نے پانچویں بار ترتیب سے درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا جو آخر عمر تک جاری رہا ان کا یہ درس قرآن اب نماز فجر کے بعد کی بجائے نماز عصر کے بعد ہوتا تھا۔ بلا شبہ یہ بہت بڑی خدمت قرآن ہے جو مولانا عبداللہ صاحب نے انجام دی ہے۔ تقسیم ملک سے پہلے کے سات سال اور ایک سال رائے ونڈ ضلع قصور کے درس قرآن کو بھی شامل کیا جائے تو یہ مدت ۷۲ سال بنتی ہے اور خادم قرآن کی حیثیت سے یہ بہت بڑی خدمت قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

مولانا محمد عبداللہ صاحب کو تحریر و نگارش سے بھی خاص شغف تھا۔ انھوں نے کوئی کتاب تو مرتب نہیں کی البتہ ان کے علمائے اہل حدیث کے بارے مضامین جماعتی رسائل میں اشاعت پذیر ہو کر ہمارے مطالعے میں آتے رہے۔ وہ خوب صورتی سے اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتے اور پیارے اسلوب میں اکابرین جماعت کا تذکرہ کرتے تھے۔ چند سال پہلے انھوں نے شیخ الاسلام، فاتح قادیان، مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے بارے ہفت روزہ اہل حدیث لاہور میں متعدد مضامین لکھے تھے۔ اور ان میں حضرت شیخ الاسلام کی زندگی کے بعض گوشوں کو اُجاگر کیا تھا۔ اگر کوئی شخص مولانا عبداللہ صاحب کے تمام مضامین کو یکجا کر کے شائع کر دے تو اس سے جماعتی تاریخ کے بہت سے واقعات محفوظ ہو جائیں گے۔

مولانا محمد عبداللہ صاحب نے سیاست میں تو زیادہ حصہ نہیں لیا البتہ مذہبی تحریکوں میں سرگرم عمل رہے۔ فتنہ مرزائیت کے خلاف انھوں نے قیام پاکستان سے پہلے بھی خوب کام کیا اور قیام پاکستان کے بعد بھی وہ قادیانیوں کے خلاف پیش پیش رہے۔ اس راہ میں انھیں مصائب و آلام سے بھی دو چار ہونا پڑا اور قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ وہ ہر موقع پر ثابت قدم رہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور انھوں نے قادیانی نبوت کے جھوٹے دعوے دار مرزا غلام احمد قادیانی کا پول کھولا۔ مولانا عبداللہ صاحب نے ۱۹۳۵ء میں، جب وہ مولانا عطاء اللہ شہید رحمہ اللہ کے ہاں زیر تعلیم تھے، قادیانیت کے خلاف پہلا خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا تھا۔ پون صدی کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی مولانا محمد عبداللہ سال میں ایک بار اس خطبے کی تجدید کرتے تھے۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب پہلی بار ۱۹۳۹ء میں جیل گئے تھے۔ انھوں نے بٹالہ سے چھ میل دور دیال گڑھ کے قریبی گاؤں ''ہرسیاں'' میں مرزائیوں کے خلاف تقریر کی تھی۔ اس پاداش میں انھیں گرفتار کر لیا گیا اور ایک ہفتے بعد ان کی ضمانت ہوئی۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی مولانا محمد عبداللہ صاحب سرگرم عمل رہے اور انھیں کراچی جیل میں ایک ماہ گزارنا پڑا۔ ۱۹۵۵ء میں انھوں نے خانیوال میں تقریر کی اور ختم نبوت کے مسئلے کو اُجاگر کیا، اس ضمن میں قادیانی مذہب بھی زیر بحث لائے۔ اس جرم میں انھیں جیل بھیج دیا گیا اور ایک ماہ دس دن بعد ضمانت ہوئی۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب اس دور کے واقعات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بٹالہ اور امرتسر قریب قریب ہونے کی وجہ سے اکثر فاتح قادیان کی زیارت اور ان سے ملاقات ہوتی رہی اور ان کے بیانات اور مناظرات دیکھنے اور سننے کا موقع ملا۔ تقریباً زندگی کا گیارہ سالہ بہترین دور اُن کی رفاقت اور قرب میں بسر کرنے کا موقع ملا، الحمد لله على ذالك.

برصغیر پاک و ہند کی تقسیم سے پہلے دس سالہ دور خطابت توحید و سنت اصلاح معاشرہ اور سیرت مصطفیٰ ﷺ کی تبلیغ اور رد قادیانیت

میں بسر کرنے کا موقع ملا۔ اس دوران کئی مرزائیوں سے مناظرے بھی ہوئے۔ برصغیر پاک و ہند کی تقسیم کے بعد ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی حصہ لینے کا موقع ملا۔ بورے والا ضلع ملتان (حال ضلع وہاڑی) سے ختم نبوت کے پروانوں کا جو پہلا قافلہ کراچی روانہ ہوا اُس میں بہ حیثیت قائد قافلہ جانے کا موقع ملا۔ کراچی جیل میں ایک ماہ تک قیام پذیر ہوکر اللہ تعالیٰ نے سنت انبیاء کی اتباع کا موقع فراہم کیا۔

پھر اس کے بعد ۱۹۹۵ء میں رد قادیانیت کے سلسلے میں خانیوال ضلع ملتان (اب خانیوال خود ایک ضلع ہے) میں ایک تقریر کی وجہ سے ملتان جیل میں جانا پڑا۔ جب مجھے خانیوال کی پولیس گرفتار کر کے اور ہتھکڑی لگا کر ملتان لے کر گئی تو ایک سب انسپکٹر اور دو کانسٹیبل ساتھ تھے، پھر وہ مجھے جیل کے دفتر میں لے گئے۔ یہاں سے انھوں نے مجھے کسی بارک میں بھیجنا تھا۔ میں وہاں کلرک کے پاس کھڑا ہوگیا اور وہ اپنے رجسٹر کھول کر دیکھنے لگا اور اسی دوران اس کے میز پر پڑے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی، اس نے فون اٹھایا اور فون پر کسی سے بات کرنے لگا۔ بات کرتے کرتے کہنے لگا کہ مولوی صاحب آپ کے لیے فون آیا ہے، فون پکڑیں اور بات سنیں۔ میں نے جب ٹیلیفون کان سے لگایا تو وہ سپرنٹنڈنٹ جیل کا فون تھا۔ اس نے کہا: مولوی صاحب! السلام علیکم۔ میں نے جواب میں وعلیکم السلام کہا۔ کہنے لگا: میں سپرنٹنڈنٹ جیل بول رہا ہوں۔ میں نے کہا: حکم کریں۔ کہنے لگا: حکم نہیں گزارش ہے کہ ہمارے خطیب صاحب جو جیل میں خطبہ جمعہ دینے آیا کرتے تھے ان کی آج درخواست آ گئی ہے کہ وہ بیمار ہیں، اس لیے جمعہ کی خطابت کا انتظام کر لیں۔

اس دن چونکہ جمعہ تھا اور سپرنٹنڈنٹ صاحب نے مجھے اپنے دفتر میں بیٹھے ہوئے شیشے کی کھڑکی میں سے دیکھ لیا تھا، اس لیے مجھے ایک عالم دین سمجھ کر ٹیلیفون کیا۔ دفتر میں کلرک کے پاس میں ابھی پہنچا تھا۔ کہنے لگا: مولوی صاحب آج آپ خطبہ جمعہ ارشاد فرما دیں۔ میں نے ان سے انکار کیا اور کہا کہ جون کا مہینہ گرم ترین مہینا ہے۔ میں کئی دن حوالات میں رہا ہوں۔ میرے کپڑے بھی پسینے سے خراب ہیں اور جسم بھی گندا ہے، اس لیے میں جمعہ نہیں پڑھا سکتا۔ اس نے کہا: مولوی صاحب! گزارش قبول فرمائیں، میں کپڑے بھی نئے بھیجتا ہوں اور پانی بھی غسل کرنے کے لیے اور آپ کے لیے ناشتہ وغیرہ بھی بھیجتا ہوں، آپ میری گزارش قبول کریں اور خطبہ جمعہ ارشاد فرمائیں۔ کلرک مجھے آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا کہ صاحب کی بات مان جائیں۔ میں نے کہا: آپ مجبور کرتے ہیں تو آپ کے کہنے پر خطبہ جمعہ دے دیتا ہوں۔ میں ابھی وہاں ہی بیٹھا تھا، ایک قیدی اپنے سر پر پانی کا ٹین رکھ کر لا رہا تھا اور صابن دھنیا کا تیل بھی ساتھ تھا۔ اس کے بعد ایک قیدی کپڑوں کا نیا جوڑا اور اس کے ساتھ ۳۷۶ کی ململ کی پگڑی، کرتا، بنیان، ملتانی لاچ، جرابیں وغیرہ لے کر آ گیا۔ پھر اس کے بعد ایک اور قیدی آ گیا اور اس کے ہاتھ میں ایک بڑی ٹرے تھی جس میں دو پراٹھے، تین انڈے، دہی، مکھن اور چائے تھی۔ کہنے لگا کہ یہ آپ کا ناشتہ ہے۔ میں نے کلرک سے کہا کہ دیکھو جب میں جیل میں داخل ہونے لگا تو آپ کے پولیس والوں نے میری مکمل تلاشی لی اور پان بھی نکال لیا لیکن وہ میرے سینے سے قرآن نہ نکال سکے' اور یہ سب قرآن کی برکت سے ہے۔

میں نے غسل کیا اور نئے کپڑے پہنے، پھر ناشتہ کیا تو جمعہ کی اذان ہوگئی۔ میری عمر اُس وقت تقریباً چالیس سال تھی۔ جیل کے تمام قیدی اور افسران بڑی تعداد سے جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے آئے۔ میں نے حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ سے سنا تھا کہ سورۂ یوسف جیل میں پڑھنے کا مزا آتا ہے۔ میں نے خطبہ جمعہ میں ﴿رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ﴾ کی تشریح کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس قدر توفیق بخشی کہ پونے دو گھنٹے خطبہ جمعہ دیا اور اتنا مؤثر ثابت ہوا کہ قیدی نعرے مار رہے تھے اور سورۂ یوسف کا ترجمہ اور تفسیر سن کر رو رہے تھے۔ جیل کی فضا نعرۂ تکبیر سے گونج رہی تھی۔ اب جیل کے افسران پریشان تھے کہ قیدی کہیں بغاوت نہ کر دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے عزت عطا کر دی (اور یہ سب کچھ قرآن کی برکت ہے۔) جب نماز جمعۃ المبارک ادا کی تو میرے پیچھے ملتان کے دو

نوجوان رئیس زادے بھی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تھے اور وہ کسی کے قتل کے جرم میں قید تھے اور انھوں نے اپنا کھانا گھر سے منظور کروایا ہوا تھا۔ وہ بڑے احترام سے ملے اور پوچھا مولانا! کہاں سے آئے ہیں؟ اور کس سلسلے میں جیل میں آ گئے؟

میں نے کہا کہ میں بورے والا کی مرکزی جامع مسجد اہل حدیث کا خطیب ہوں اور خانیوال میں ختم نبوت کے موضوع پر ایک تقریر کی جس میں کھل کر مرزائیت کی تردید کی ہے۔ وہاں کا تھانے دار مرزائی تھا اور رپورٹر بھی مرزائی تھا۔ انھوں نے رات ہی کو میرے وارنٹ گرفتاری جاری کروا کر مجھے گرفتار کروالیا۔ اگلے دن انتظامیہ جلسہ نے ضمانت کی درخواست دی لیکن اس وقت پتا چلا کہ ملتان کا سیشن جج بھی مرزائی ہے۔ اور اس نے میری ضمانت کی درخواست مسترد کر دی جس کی وجہ سے پولیس مجھے آج ہی جیل لائی ہے اور یہ میری اور آپ کی ملاقات کا سبب بنا ہے۔

وہ دونوں نوجوان حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ کے مقتدی تھے۔ وہ کہنے لگے: مولوی صاحب! آپ کھانا ہمارے ساتھ کھایا کریں، ہمارا کھانا گھر سے آتا ہے۔ میں نے انکار کیا لیکن ان کا اصرار غالب آ گیا، میں نے ان کی دعوت قبول کر لی۔ ان میں سے ایک پھر کہنے لگا کہ مولوی صاحب! آپ تو پان بھی کھاتے معلوم ہوتے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں، پان کھاتا ہوں لیکن جب پولیس والوں نے تلاشی لیتے وقت میرا پان نکال لیا تو میں نے اپنے نفس سے کہا تھا کہ دیکھو یہاں کتنی پابندی ہے، اب پان مت مانگنا۔ کہنے لگے ان سے مانگیں کیوں؟ ہمارے دونوں بھائیوں کے سولہ پان روزانہ گھر سے آتے ہیں، اب آج سے آٹھ پان آپ کے بھی آیا کریں گے۔ میں ایک ماہ اور تین دن ملتان ڈسٹرکٹ جیل میں رہا اور ان نوجوانوں کا صبح کا ناشتہ، دوپہر کو کھانا، بعد نماز عصر چائے، رات کا کھانا آتا اور بہت پُرتکلف کھانا ہوتا۔

جیل میں میرے ساتھ ملاقات کرنے جو بھی آتا میں کہتا کہ ابھی دو چار ماہ میری ضمانت نہ کروانا کیونکہ یہاں بہت آرام ہے۔ لیکن آخر کار حضرت مولانا سید محمد داود غزنوی رحمہ اللہ نے میاں محمود علی صاحب قصوری رحمہ اللہ کو کہہ کر میری لاہور ہائیکورٹ سے ضمانت کروا دی۔ اسی طرح پوری زندگی اسی انداز سے گزری ہے۔ یہ ایک مختصر سا تعارف ہے۔

کبھی فرصت ہو تو سن لینا
بھری پڑی ہے داستان میری

تحریک ختم نبوت سے میرا 80 سال پرانا تعلق ہے اور ہمارا یہ خاندانی سرمایہ ہے جس کی وجہ سے میرے عزیزم بیٹے ڈاکٹر محمد سلیمان اظہر، جن کا قلمی نام ڈاکٹر بہاء الدین سلفی ہے، نے تحریک ختم نبوت کی آٹھ جلدیں لکھ کر انڈیا، برطانیہ اور مکتبہ قدوسیہ لاہور سے شائع کروا کر پورے پاکستان میں پھیلا دی ہیں، اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ وقت نکال کر ان پر بھی نظر ڈال لیں شاید فائدہ ہو جائے، شکریہ۔'' (ختم نبوت نمبر، ماہنامہ ضیائے حدیث لاہور بہ نام ''قندیل'' اپریل، مئی ۲۰۰۹ء) (یاد رہے کہ تحریک ختم نبوت کی اب پندرہ جلدیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ الحمدللہ)

کسی دور میں نصرت ٹرانسپورٹ کمپنی کی بسیں لاہور سے فیصل آباد چلتی تھیں۔ فیصل آباد میں اس کمپنی کا اڈا کارخانہ بازار کے باہر ہوا کرتا تھا اور یہ بس کمپنی مرزائیوں کی تھی۔ ایک بار مولانا محمد عبداللہ صاحب لاہور سے نصرت ٹرانسپورٹ کی بس کے ذریعے لائل پور آئے۔ رات کو انھوں نے دورانِ تقریر تذکرہ کیا کہ میں لاہور سے نصرت بس پر بیٹھ کر ساڑھے تین گھنٹے میں لائل پور پہنچا ہوں۔ قادیانیوں نے اس بات پر اُن کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا۔ مولانا عبداللہ صاحب پیشی پر عدالت میں حاضر ہوئے اور اپنا بیان دیا۔ عدالتی کارروائی کے بعد انھوں نے کہا کہ آئندہ پیشی پر میں یہ بھی بتاؤں گا کہ نصرت بس کمپنی پر بیٹھ کر مجھے کتنا لطف آیا اور سفر کتنا آرام دہ رہا۔ ان کی یہ بات بھی مرزائیوں کو چبھ گئی۔ اب ان کو کسی نے مشورہ دیا کہ اس مولوی سے جان چھڑا لو، ورنہ یہ آئندہ تمھیں عدالت میں بڑا رسوا کرے گا، لہٰذا مرزائیوں نے اپنا مقدمہ واپس لے لیا۔

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی بھرپور کردار ادا کیا اور بورے والا کی مذہبی قیادت میں ان کا کام اور نام نمایاں تھا۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ میں بھی مولانا محمد عبداللہ صاحب کی خدمات قابل قدر ہیں۔ جس طرح ان کی عمر طویل تھی اسی طرح ان کی خدمات کا دائرہ بھی وسیع تر تھا۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب بڑے وضع دار اور پُروقار عالم دین تھے۔ ہمیشہ اپنی عزت و وقار کا خیال رکھتے۔ ایک بار انھوں نے قصور کی جامع مسجد فریدیہ اہل حدیث میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ رات کو ان کا قیام بھی قصور میں ہی تھا۔ مشہور مغنیہ نور جہاں کا تعلق بھی قصور سے ہے۔ ان دنوں نور جہاں قصور میں تھی، اس کو مولانا محمد عبداللہ صاحب کی قصور آمد کا پتا چلا تو اُس نے اپنا خادم بھیجا کہ بابا جی صبح ناشتہ ان کے ہاں کریں۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب نے انکار کر دیا۔ بعض لوگ کہنے لگے آپ اس کی دعوت قبول کر لیتے، اس میں حرج ہی کیا تھا۔ لیکن مولانا محمد عبداللہ صاحب فرمانے لگے: میں نہیں جاؤں گا۔ اور مولانا محمد عبداللہ صاحب نور جہاں کے لاکھ اصرار پر اس کے ہاں ناشتہ کرنے نہیں گئے اور ایک عالم دین ہونے کی حیثیت سے اپنے مقام و مرتبے کو بلند رکھنا۔

مولانا محمد عبداللہ صاحب کا امتحان لینے کے لیے بسا اوقات انھیں مختلف طریقوں سے آزمایا گیا۔ مولانا بتایا کرتے کہ ایک بار منڈی بہاء الدین سے خط آیا کہ فلاں تاریخ کو آپ تشریف لائیں اور اپنے خطاب سے سامعین کو مستفید فرمائیں۔ خط پڑھ کر میں منڈی بہاء الدین گیا رات کو تقریر کی اور واپس آ گیا، انھوں نے واپسی پر پوچھا تک نہیں۔ تھوڑے دن گزرے، ان کی طرف سے پھر خط آیا کہ تشریف لائیں اور تقریر کریں۔ مولانا بیان کرتے ہیں کہ خط پڑھ کر میں نے خود سے کہا: مولوی! یہ تیری آزمائش ہے، کہیں پھسل نہ جانا۔ وہ آزمانا چاہتے ہیں کہ کیا مولوی کرایہ کے بغیر بھی آ سکتے ہیں، چنانچہ میں وقت مقررہ پر منڈی بہاء الدین پہنچا اور تقریر کی۔ جن لوگوں نے مجھے بلایا تھا ان کا صابن کا کارخانہ تھا۔ وہ صبح اپنی گاڑی میں مجھے بتی چوک لاہور چھوڑ گئے اور جاتے ہوئے ایک پیٹی صابن کی اور گیارہ سو روپے میری واسکٹ کی جیب میں ڈال گئے۔ یہ سستے زمانے کی بات ہے۔ اس واقعہ سے مولانا محمد عبداللہ صاحب کی تبلیغی مساعی میں خلوص ظاہر ہے۔

لالچ، طمع و حرص سے کوسوں دور رہ کر انھوں نے خدمت دین کا فریضہ ادا کیا اور اپنی عزت اور علماء کی عظمت و وقار کو ہمیشہ قائم و دائم رکھا۔ اصل میں مولانا محمد عبداللہ صاحب نے جن لائق اساتذہ کرام اور عالی قدر بزرگان دین کے زیر سایہ رہ کر تعلیم و تربیت کی منزلیں طے کیں، یہ اسی کا اثر ہے۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے خاص ارادت مند اور شاگردوں میں شمار ہوتے تھے۔ مولانا بیان کیا کرتے تھے کہ مولانا امرتسری مجھ پر بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے۔ اور بسا اوقات تبلیغی پروگراموں میں بھی ساتھ لے جاتے۔ بڑے سخی اور فیاض تھے۔ ہمیشہ دوسروں کا خیال رکھتے۔ ایک بار ان کے ساتھ شورکوٹ جانے کا اتفاق ہوا۔ ریلوے اسٹیشن شہر سے تین چار میل ہٹ کر ہے۔ لوگ شیخ الاسلام کے استقبال کے لیے دور دور سے آئے ہوئے تھے۔ ان میں علاقے کے ہندو اور سکھ بھی بڑی تعداد میں تھے۔ ہزاروں کا مجمع تھا۔ جب ہم کینٹ اسٹیشن سے شہر کو جانے لگے تو شہر کا ایک سکھ رئیس مجمع سے نکل کر آگے آیا اور مولانا امرتسری کی خدمت میں آداب بجا لا کر اپنی عقیدت کا اظہار کیا اور ساتھ ہی لوگوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا: یہ مسلمانوں کا ''درشنی'' مولوی ہے۔ رات کو مولانا امرتسری مرحوم نے شورکوٹ میں انعقاد پذیر جلسے میں تقریر کی مسلمان تو متاثر ہوئے ہی لیکن غیر مسلم بھی بڑے متاثر ہوئے۔

بلا شبہ مولانا محمد عبداللہ صاحب پرانے دور کی یادگار تھے۔ انھوں نے نیک لوگوں کا ساتھ پایا۔ وہ جس دور میں پلے بڑھے اور جس ماحول میں تعلیم و تربیت کی منزلیں طے کیں اسے سنہری دور سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس دور میں مختلف تحریکیں اور جماعتیں میدان کار زار میں سرگرم عمل تھیں۔ ہندو، سکھ، عیسائی اور مسلمان اپنے اپنے مذہب کی اشاعت میں لگے ہوئے تھے۔ اور اس سلسلے میں وہ ایک دوسرے سے مناظرے اور مباحثے بھی کرتے تھے اور دوسری طرف مل کر انگریز سے آزادی کے لیے کام بھی کر رہے تھے۔

مولانا محمد عبداللہ صاحب نے ان حالات کا بہ غور جائزہ لیا اور پھر ان کا علاقہ بٹالہ بھی قادیانی فتنے کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ان حالات میں مولانا عبداللہ صاحب نے اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے اہل حدیث اسٹیج سے کام کرنا شروع کیا۔قادیانی مذہب کے خلاف انھوں نے تقریر وتحریر سے کام کیا اور دیگر مذاہب باطلہ کے خلاف بھی انھوں نے زبان و بیان سے جہاد کیا۔تقسیم ملک سے پہلے آپ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس سے منسلک رہے جس کے ناظم اعلیٰ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ تھے۔قیامِ پاکستان کے بعد جب ۲۴؍جولائی ۱۹۴۸ء کو مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو آپ اس سے منسلک ہو گئے اور تاحیات مرکزی جمعیت اہل حدیث کے ساتھ ہی رہے۔شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا سید محمد داود غزنوی اور مولانا محمد اسماعیل سلفی ان پر بہت اعتماد کیا کرتے تھے اور ان اکابرین جماعت کے ساتھ مل کر مولانا محمد عبداللہ صاحب نے جماعت کی تعمیر وترقی کے لیے دن رات کام کیا۔

مولانا محمد عبداللہ گورداس پوری دوستوں کے دوست اور یاروں کے یار تھے۔جن حضرات کے ساتھ ان کا ذرا سا بھی تعلق رہا انھیں یاد رکھتے۔اپنے اساتذہ کرام کا ذکر خیر عقیدت سے کرتے، چھوٹوں پر شفقت فرماتے۔فیصل آباد تشریف لاتے تو ان کی کوشش ہوتی کہ دوستوں سے ضرور ملاقات کی جائے۔ان کی خواہش پر کئی بار ہم ان کے استاد زادے حافظ سلیمان ایم اے مرحوم کو ان کے گھر سمن آباد جا کر ملے۔اس موقع پر ہمارے مرحوم دوست علی ارشد چودھری اپنی گاڑی میں ہمارے ہم رَاہ تھے۔مولانا محمد عبداللہ صاحب بذلہ سنج اور باغ و بہار طبیعت کے انسان تھے۔وہ اپنی گفتگو اور شرینی گفتار سے خوب محظوظ کرتے۔ایک بار فیصل آباد تشریف لائے اور مجھے ٹیلی فون کیا۔ حال احوال پوچھ کر کہنے لگے: ارشد مرشد کہاں ہیں؟ میں نے عرض کیا: اس وقت تو وہ گھر پر سو رہے ہوں گے، نماز ظہر کے بعد ہی شہر آئیں گے۔پھر پوچھنے لگے: حکیم عبدالستار کے بیٹے حافظ حبیب الرحمان کہاں ہوں گے؟ میں نے بتایا کہ حافظ صاحب نماز فجر کے بعد سو جاتے ہیں، نماز ظہر میں ہی مسجد میں آئیں گے۔بابا جی میرا یہ جواب سن کر برجستہ کہنے لگے: یہ سارے اصحاب کہف ہی ہیں جو سوئے ہوئے ہیں۔ان کی اس برجستہ گوئی نے بڑا لطف دیا۔

اپریل ۲۰۰۴ء میں مولانا محمد عبداللہ صاحب فیصل آباد تشریف لائے اور مسجد کوثر اہل حدیث افغان آباد میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔نماز جمعہ کے بعد راقم اور علی ارشد چودھری نے ان کو ساتھ لیا اور مختلف احباب سے ملاقاتیں کرائیں۔نماز عصر ہم نے محمدی مسجد اہل حدیث نثار کالونی میں ادا کی۔راقم نے عرض کیا: بابا جی قریب ہی میرا غریب خانہ ہے، تشریف لائیں، نوازش ہو گی۔انھوں نے بلا تامل میری گزارش مان لی اور میرے گھر تشریف لے آئے۔انھوں نے خیر و بھلائی کی دعا بھی فرمائی۔کھانا تیار تھا، ان کو پیش کیا۔کھانا تناول فرما کر محبت سے کہنے لگے: سلفی! تمھاری بیوی کوئی ''رابعہ بصری'' معلوم ہوتی ہے۔دیکھیں کتنی جلدی اتنا اچھا کھانا تیار کر کے ہماری ضیافت کی ہے۔بلا شبہ مولانا صاحب باوفا اور بے لوث انسان تھے۔زندگی بھر مولانا محمد عبداللہ صاحب کی صحت بہت اچھی رہی۔کھانا کم کھاتے، تازہ سبزیاں ان کی مرغوب غذا تھی۔چائے کے شوقین تھے اور پان بھی چباتے تھے۔عصر حاضر کے واعظین کی طرح نخرے بالکل نہیں کرتے تھے۔اپنی مسجد کے خطیب وامام بھی تھے۔

۱۹۵۷ء میں مولانا محمد عبداللہ صاحب نے مرکزی جامع مسجد اہل حدیث بورے والا میں ''مدرسہ محمدیہ'' کی بنیاد رکھی۔بطل حریت حضرت مولانا سید محمد داود غزنوی رحمہ اللہ نے اس کا افتتاح فرمایا تھا۔مولانا محمد عبداللہ صاحب اس مدرسہ میں عرصہ دراز تک طلبہ اور طالبات کو ترجمۃ القرآن اور ناظرہ قرآن پڑھاتے رہے۔شعبہ حفظ القرآن کے لیے بھی استاد تھا۔اس مدرسہ سے حافظ عبدالستار شیخ الحدیث کوٹ اڈو (وفات ۱۹؍جنوری ۲۰۰۹ء)، قاری محمد رمضان سینئر مدرس جامعہ سلفیہ فیصل آباد، پروفیسر عبدالرحمان لدھیانوی اور حافظ محمد لقمان سلفی (وفات ۱۰؍جون ۲۰۰۲) جیسے نام وَر علماء نے تعلیم حاصل کی۔

مولانا محمد عبداللہ صاحب سے متعلق نگارشات ان کی عمر کی طرح طویل ہوگئی ہیں۔اب ان کی اولاد کے بارے چند الفاظ پڑھ لیجیے۔اللہ

تعالیٰ نے ان کو چار بیٹوں اور چھ بیٹیوں سے نوازا، بیٹوں کے نام یہ ہیں:

۱: **ڈاکٹر محمد سلیمان اظہر:** دینی و دنیوی تعلیم سے آراستہ ہیں۔ لکھنے پڑھنے کا ذوق اچھا ہے۔ ۱۹۷۰ء کے عشرے میں جامعہ سلفیہ میں انگریزی کے استاد رہے۔ جامعہ اسلامیہ بہاول پور اور بعض دوسرے سرکاری کالجز میں پروفیسر رہے۔ ۱۹۸۷ء سے برطانیہ میں مقیم ہیں۔ تحریک ختم نبوت اور تاریخ اہل حدیث ان کی شاہکار تصانیف ہیں جو پاک و ہند سے شائع ہو کر اہل علم سے داد و تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے تفصیلی حالات میں نے ان کی تحریک ختم نبوت کی جلد نمبر ۹ کے شروع میں تفصیل سے لکھے ہیں۔

۲: **حافظ محمد لقمان غضنفر سلفی:** جید عالم دین تھے۔ جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے اکتساب علم کیا۔ ۱۷، ۱۸ سال میاں چنوں کی جامع مسجد اہل حدیث میں خطیب رہے۔ ۱۰ر جون ۲۰۰۲ء کو انھوں نے میاں چنوں میں ہی وفات پائی۔ بڑے خلیق، ملنسار اور خوش طبع عالم دین تھے۔ ان کے تفصیلی حالات جاننے کے لیے راقم کا مضمون ہفت روزہ اہل حدیث لاہور کے ۱۴ر اپریل ۲۰۰۳ء کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیے۔

۳: **ریاض قدیر:** بورے والا میں رہتے ہیں اور اپنا کاروبار کرتے ہیں۔ نیک اور صالح انسان ہیں۔

۴: **زبیر احمد:** مستند عالم دین ہیں۔ بورے والا کے ایک سرکاری سکول میں پڑھاتے ہیں اور مسجد میں خطیب بھی ہیں۔

بابائے تبلیغ مولانا عبداللہ صاحب سے متعلق یادوں اور ملاقاتوں کے یہ چند ناقابل فراموش نقوش ہیں جو میں نے قارئین کے رُو بہ رو پیش کیے ہیں۔ مجھ سے کہیں زیادہ بابا جی سے متعلق واقعات ان لوگوں کے دل و دماغ میں محفوظ ہوں گے جن کو راقم سے زیادہ مولانا کی محفل میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ تاہم میرے دل کا تقاضا اور روح کی پکار تھی کہ بابا جی سے متعلق یادوں کو کاغذ کے سینے پر ثبت کیا جائے۔ اب بابا جی کے بارے میں جماعت اہل حدیث کے عظیم شاعر شیخ سعید الفت مرحوم کے اشعار ملاحظہ فرمائیے جو کئی عشرے قبل لکھے گئے تھے۔

بڑا ہس مکھ تے قابل آدمی ایں
بڑا رونقی زندہ دل آدمی ایں
محمد عبداللہ نام نامی پورا
میں ہاسے ناں، کہناں ہناں بابا بورا
بڑا خوش مزاج اے بڑا خوش کلام ایں
ظرافت دے فن وچ تے اچا مقام ایں
طبع وچ حاضر جوابی بڑی اے
طبیعت وی کوئی جلی نہ سڑی اے
اے مجمعے تے حالی وی چھا جاندا اے
روا جاندا اے، ہسا جاندا اے
دعا ہے خدا ہور ہمت و دما دے
لمی عمر تے تندرستی عطاوے

شاعر اہل حدیث جناب علیم ناصری مرحوم نے مولانا محمد عبداللہ گورداس پوری کے بارے میں ایک نظم ان کی زندگی میں لکھی تھی جو قریباً ایک عشرہ قبل ہفت روزہ الاعتصام لاہور میں شائع ہوئی تھی، موقع کی مناسبت سے اسے بھی نذر قارئین کیا جاتا ہے۔ جناب علیم ناصری فرماتے ہیں:

نام ہے لب پر مرے اک مردِ حق آگاہ کا
یارِ خیر اندیش، مولانائے عبد اللہ کا
وہ مرے مسلک، مرے نطق و نوا کا ہم صفیر
ہم خیال و ہم زبان و دل رُبا و دل پذیر
ہم نوائے ہمنوایان، ہم نشینِ ہم دماں
دوست دارِ دوستداراں، خیر خواہِ ہم رہاں
نرم خو وگرم جو، شائستہ خو، شائستہ رو
حق پرستوں کا مصاحب، اہل باطل کا عدو
خوش کلام وخوش خرام وخوش بیان وخوش زبان
پاک پوش و پاک نوش و پاک چشم و پاک جان

عالمِ نکتہ شناس و فاضلِ رمز آشنا
اک ادیب علم پرور ، اک خطیب خوش نوا
محفلوں میں زعفرانی رنگ بھر دیتا ہے وہ
خشک جانوں کو بھی لالہ زار کر دیتا ہے
غم زدوں کی دور کر دیتا ہے وہ افسردگی
فصل گل بنتی ہے اس کو دیکھ کر پژمردگی
اس کی تقریریں شگفتہ، بزم آرا ، دل نشیں
چٹکلوں میں بھی سبق آموز، معنی آفرین
منبر و محراب میں روحانیت کی آبشار
بزم یاراں میں شگوفوں کی بہار اندر بہار
چھوٹتی ہے بورے والا سے جو اس کی پھل جھڑی
بنتی ہے لاہور کے وہ گل کدوں کی پنکھڑی
آج بھی بانکا ہے میرا سال خوردہ دوستدار
شاہ بالائے مسیحا کا بھی ہے امید وار
اس کا فرزند گرامی دانش و بینش مآب
ملکِ عرفان کا سلیمان صاحبِ کلک و کتاب
میرے بھائی کی ہو سب اولاد یارب شادمان
ان پہ برسا رحمتیں اے مالکِ کون و مکان
دین اور دنیا رہے اس کی متین و تابدار
وہ رہے اپنے عزائم میں ہمیشہ کامگار

مولانا محمد عبداللہ صاحب کی زندگی دعوت وتبلیغ سے عبارت تھی اور انھوں نے اس مشن میں عمر گزار دی۔ ایک عرصے سے وہ شوگر اور دل کے عارضے میں مبتلا تھے لیکن عوارض سے زیادہ بڑھاپا ان پر غالب تھا،کم زوری، نقاہت اور بڑھاپے کے باوجود وہ تبلیغی پروگراموں میں شوق وعزم سے شریک ہوتے اور اپنی خطابت کی تمام تر رعنائیوں سے سامعین کو محظوظ کرتے۔ ۱۶ اور ۱۷/ مارچ کو ماموں کانجن میں آل پاکستان اہل حدیث کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کی صدارت مولانا محمد عبداللہ صاحب نے فرمائی اور سترہ مارچ کی رات انھوں نے اپنا خطبہ صدارت ارشاد فرمایا جو اُن کے مخصوص طرزفکر کا آئینہ دار تھا۔ اسی روز دن کے وقت ان کا قیام فیصل آباد میں تھا اور انھوں نے فون کے ذریعے راقم کی خیریت دریافت کی تھی اور اپنی صحت کے بارے بتایا تھا۔ اس کے بعد بھی ان سے گاہِ گاہِ رابطہ رہا۔

مئی کے ابتدائی دنوں میں برادرم محمد سہیل اظہر چودھری نے بابا جی کی بیماری کے متعلق بتایا اور کچھ تشویش کا اظہار کیا۔ ان کا علاج جاری تھا کہ ۷/ مئی کو دوپہر ایک بج کر چالیس منٹ پر نہایت افسردہ لہجے میں سہیل صاحب نے اپنے پیارے بابا جی کی موت کی اطلاع دی۔ جسے سن کر نہایت صدمہ ہوا۔ تھوڑی دیر بعد ہفت روزہ الاعتصام لاہور کے دفتر سے مولانا محمد سلیم چنیوٹی نے بھی یہی خبر سنائی۔

مولانا محمد عبداللہ صاحب کی شدید خواہش تھی کہ وہ بورے والا میں ہی فوت ہوں اور اسی شہر میں انھیں دفن کیا جائے جہاں وہ ۶۳ سال سے مرکزی جامع مسجد اہل حدیث میں خطابت و امامت کا فریضہ ادا کر رہے تھے۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب کی وفات کی خبر منٹوں میں پورے ملک اور بیرون ملک پہنچ گئی۔ اور لوگ نماز جنازہ میں شرکت کے لیے بورے والا پہنچنا شروع ہو گئے۔ ۸/ مئی کو صبح پونے گیارہ بجے مولانا ارشادالحق اثری صاحب کی اقتدا میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اس میں ہزاروں علماء اور عوام بلا تفریق مسلک شریک ہوئے اور بورے والا میں ہی تدفین عمل میں آئی۔ بورے والا کی تاریخ میں مولانا محمد عبداللہ صاحب کا جنازہ مثالی تھا۔ ان کی وفات کے سوگ میں انجمن تاجران نے مارکیٹیں اور بازار بند رکھے جب کہ سرکاری و نیم سرکاری دفاتر اور سکول و کالج بھی بند رہے۔ اس علاقے کے ایم پی اے خالد محمود بھٹی نے سیکورٹی اور دیگر انتظامات میں بھرپور تعاون کیا۔ دیگر یہ کہ مقامی جماعت نے بھی آنے والوں کے لیے ٹھنڈے پانی اور کھانے کا خاطر خواہ انتظام کر رکھا تھا۔ بلاشبہ مولانا محمد عبداللہ صاحب اپنے دور کے رفیع المرتبت عالم دین تھے۔ جو اپنے پیچھے بہت سی خوشگوار یادیں چھوڑ گئے۔

اللہ تعالیٰ ان کی حسنات کو قبول فرما کر جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

تذکرہ علمائے اہل حدیث

یادگارِ اسلاف مولانا محمد عبداللہ گورداس پوری رحمہ اللہ

قاری محمد حسن سلفی (ٹبہ سلطان پور، وہاڑی)

جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن کی سالانہ اہل حدیث کانفرنس حضرت بابا جی مولانا عبداللہ گورداس پوری کی زیر صدارت تھی۔ اسٹیج پر بابا جی بڑی آن شان سے تشریف فرما تھے۔ ان کی طرف سے خطبہ صدارت قاضی ریاض قدیر نے پڑھ کر سنایا۔ بعد میں حضرت گورداس پوری رحمہ اللہ نے اپنے متعلق شاعر اسلام مولانا شیخ سعید الفت کے دو چار شعر پڑھے۔ آواز میں ضعف اور کمزوری نمایاں تھی۔ جب وہ اسٹیج سے اترنے لگے تو تمام علماء احترام میں کھڑے ہو کر الوداعی سلام ومصافحہ کرنے لگے۔ میں بھی ان خوش نصیبوں میں تھا۔ حضرت بابا جی سے آخری ملاقات مصافحہ وسلام ایک مبارک جگہ پر ہوئی۔ حقیقت ہے کہ ان کی زیارت سے اکابر علماء یاد آجاتے تھے۔ چند دن پہلے برادرم قاری عمر فاروق کی طرف سے اطلاع ملی کہ حضرت بابا جی دل کی تکلیف کے باعث صاحب فراش ہیں۔ ہسپتال میں داخل کروایا گیا ہے، خصوصی دعا فرمائیں۔

۷ رمئی بروز سوموار ظہر کے بعد قیلولہ کر رہا تھا کہ قاری عمر فاروق صاحب نے فون کر کے یہ اندوہ ناک خبر سنا کر مغموم کر دیا کہ یادگارِ اسلاف بقیۃ السلف حضرت بابا جی محمد عبداللہ گورداس پوری وفات پا گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ساہیوال کے علماء قاری امجد فاروق عدیل، قاری عبدالشکور عابد، مولانا محمد یوسف عابد اور مولانا محمد سلیم شاکر کے ہم راہ نماز جنازہ کے لیے بورے والہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔ راستے میں ہر ایک ساتھی حضرت بابا جی کی تقاریر میں لطافت وظرافت کے واقعات، ان کی تقویٰ وطہارت والی زندگی، ایک ہی جگہ پر ۶۵ سال تک خطابت کرنا، جوانی میں تحریک پاکستان میں کردار اور ان کی صالح اولاد کی خدمت ختم نبوت ومسلک اہل حدیث کے متعلق رطب اللسان تھا۔ ان کی یاد میں مغموم وافسردہ باتیں کرتے کرتے ہم بورے والہ پہنچے۔ جنازے کا وقت قریب تھا۔ کالج گراؤنڈ میں ہر طرف علماء، شیوخ الحدیث، خطباء اور طلباء، سیاسی وسماجی حضرات کلمہ استرجاع پڑھتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ آج کالج گراؤنڈ علماء وصلحاء سے بھرا ہوا تھا۔ مائیک پر ضلعی امیر حافظ محمد ادریس ضیاء لوگوں کو صبر جمیل کی تلقین کرتے ہوئے بابا جی کے محامد ومحاسن بیان کر رہے تھے۔ نمازِ جنازہ سے پہلے مختلف علمائے کرام نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے حضرت بابا جی کی خدمات اسلامیہ پر روشنی ڈالی اور ان کو زبردست الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ حضرت بابا جی اکثر کہا کرتے تھے کہ جو میرے اکابر تھے وہ بھی چلے گئے جو ہم عصر تھے وہ بھی چلے گئے اور میں اسٹیج پر جب دائیں بائیں نظر دوڑاتا ہوں تو کوئی نظر نہیں آتا۔

آج سب ان کی روحانی اولاد کی طرح کھڑے تھے اور وہ تمام مکاتب فکر کے ممدوح تھے۔ دیوبندی، بریلوی علماء بھی کثرت سے یہاں جمع تھے۔ انجمن تاجران نے گیارہ بجے مکمل شہر بند کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔ دیوبندی مکتب فکر کے ممتاز عالم دین حافظ عبدالرؤف نعمانی نے کہا کہ میں بابا جی کے ساتھ جیل میں بھی رہا ہوں۔ ہم نے ختم نبوت کے لیے اکٹھے جلسے کیے ہیں۔ وہ میرے باپ کی طرح تھے اور ہمیں اپنے حقیقی بیٹوں جیسا پیار دیتے تھے۔ مولانا ضیاء اللہ شاہ اور ڈاکٹر حافظ عبدالکریم نے بھی خراجِ تحسین پیش کیا اور آخر میں مولانا کے صاحب زادے مولانا محمد زبیر احمد گورداس پوری نے انتہائی رقت آمیز آواز میں آخری کلمات کہے۔ مقامی سیاست دان خالد سلیم بھٹی نے کہا: چند دن پہلے میں حضرت بابا جی کے ساتھ وہاڑی گیا۔ مسجد کے ملحقہ متنازعہ پلاٹ کا مسئلہ تھا تو حضرت باب جی نے صرف اتنا کہا کہ بیٹا! میں ۶۵ سال سے بورے والا میں خطیب ہوں۔ اسی

بات پر متعلقہ افسر نے کام کو ہر صورت کرنے کا وعدہ کر لیا۔

نماز جنازہ کے لیے صف بندی کی گئی۔ مولانا ارشاد الحق اثری نے بڑے خوب صورت انداز میں اور انتہائی افسردہ لہجے میں نماز جنازہ پڑھائی۔ نماز جنازہ کے بعد اسلام کے اس عظیم سپوت کا آخری دیدارِ عام کروایا گیا۔ نماز جنازہ میں ممتاز شیوخ الحدیث؛ مولانا عبداللہ امجد چھتوی، حافظ عبدلعزیز علوی، حافظ عبدالستار حماد، حافظ مسعود عالم اور مولانا عبدالرشید ہزاروی کے علاوہ جید علمائے کرام شریک ہوئے۔ جب حضرت بابا جی کی چارپائی قبرستان کی طرف لے جانے لگے تو عقیدت مندوں نے کندھا دینے کی سعادت حاصل کرنے کے لیے بڑی کوشش کی۔ شہر کے بڑے قبرستان کے دروازے کے ساتھ ہی آخری آرام گاہ تیار ہوئی اور قبرستان کی جنازہ گاہ بھی بالکل ساتھ ہے۔ جو بھی نماز جنازہ پڑھنے جائے گا وہ حضرت بابا جی کی قبر پر ضرور دعا کرے گا۔ تدفین کے وقت علمائے کرام کے آنسو بہہ رہے تھے کہ آج سب کو ہنسانے والا ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔ قبر پر دعا مفتی حافظ عبدالستار الحماد نے کروائی۔

حضرت بابا جی محمد عبداللہ ؒ کی بہت ساری یادیں ہمارے دل ودماغ میں پیوستہ ہیں۔ مجھے تو مسلسل ایک ہفتہ ان کی خدمت میں رہنے کا شرف بھی حاصل ہے جو میرے لیے باعث فخر ہے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے کہ جب میں بہاول نگر میں خطیب تھا۔ کسی معمولی بات پر جماعت سے ناراضگی ہوئی اور میں ناراض ہو کر استاد محترم قاری عنایت اللہ ربانی کاشمیری حفظہ اللہ کے پاس پہنچ گیا اور کہا کہ میں یوں ناراض ہو کر آ گیا ہوں۔ میں اب کسی اور جگہ پڑھاؤں گا تو حضرت قاری صاحب نے کہا کہ چند دن پہلے بابا جی گورداس پوری ؒ کا فون آیا تھا۔ انھیں مسجد کے لیے مدرس وامام کی ضرورت ہے۔ میرے دل میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی کہ اس بہانے بزرگوں کی خدمت کا بھی موقع میسر آئے گا اور میرا دلی خیال یہ تھا کہ ان کی یادداشتوں کو محفوظ کر کے کتابی شکل دوں گا۔ جب میں بورے والا پہنچا، حضرت بابا جی سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے کمال شفقت سے حکم دیا کہ آپ حفظ کی کلاس کو منظم کریں اور محنت سے پڑھائیں۔

حضرت بابا جی تقریباً ١٠ بجے مسجد کے برآمدے میں رکھی ہوئی چارپائی پر تشریف لے آتے اور عصر تک وہیں بیٹھے آنے جانے والے لوگوں سے ملتے۔ مسائل حل فرماتے اور عصر کے بعد درس حدیث دیتے جو بالکل سادہ الفاظ میں اور دل نشین انداز میں ہوتا۔ یہ ربیع الاوّل کے دن تھے۔ جمعہ آیا تو انھوں نے وفات رسول پر جمعہ پڑھایا۔ اس کا ایک ایک لفظ دلوں میں اترتا جا رہا تھا اور مسجد میں زار وقطار رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

خطبے سے فارغ ہوئے تو مجھے نماز کے لیے آگے کر دیا۔ میں ''الامر فوق الادب'' کے تحت آگے کھڑا ہو گیا اور جماعت کروائی۔ پھر کیا ہوا کہ بہاول نگر کی جماعت مجھے بورے والا میں منانے اور ساتھ لے جانے آ گئی۔ میں بزرگِ محترم سے اجازت لے کر بہاول نگر چلا گیا۔ جاتے ہوئے مجھے کہنے لگے: ''بیٹا! معمولی باتوں پر ناراض نہیں ہوتے۔ عسر ویسر میں گزارا کرتے ہیں۔ کبھی مسجد کو خود نہ چھوڑو، لالچ میں نہ آؤ، جماعت والے ناراض ہوں تو خود اُن کو مناؤ اور ایک جگہ پر کام کرو۔ ہمارے اکابرین بار بار جگہ نہیں بدلتے تھے۔''

اللہ کریم ہمیں بھی اتنا حوصلہ اور ظرف دے۔ بابا جی ممدوح نے تو کر کے دکھا دیا کہ ایک ہی مسجد میں ٦٥ سال تک خطابت اور بالآخر جنازہ بھی اسی مسجد سے اٹھا۔

مولانا محمد عبداللہ گورداس پوری ؒ تاریخ اہل حدیث کا ایک مکمل باب تھے۔ حافظہ بہت اچھا تھا۔ وہ اپنے اسلاف اور ہم عصر لوگوں کی باتیں سنا کر ماحول کو آبدیدہ کر دیا کرتے تھے۔ یہ بھی اللہ کی نعمت ہے کہ آخری وقت تک صحت وعافیت کی زندگی گزاری اور قرآن وحدیث کی تبلیغ کرتے رہے۔ ان کی صالح اولاد بھی خدمت دین میں مصروف ہے خصوصاً ڈاکٹر سلیمان اظہر حفظہ اللہ (ڈاکٹر بہاء الدین) نے تو وہ کام کر دیا ہے جو پوری جماعت کا کام ہے۔ تاریخ اہل حدیث اور تحریک ختم نبوت پر ایک ضخیم ذخیرہ اہل حدیث کو دیا ہے۔

اللہ ربّ العالمین حضرت بابا جی قبلہ مولانا محمد عبداللہ گورداس پوری ؒ کی حسنات قبول فرمائے، سیئات سے درگزر فرمائے اور اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے، آمین یا ربّ العالمین۔

تذکرہ علمائے اہل حدیث

ایک دیا اور بجھا

مولانا عبداللہ گورداس پوری کا سانحۂ ارتحال

پروفیسر مولا بخش محمدی

ڈھونڈھیں ہم آب نقوشِ منسبک رفتگاں کہاں
اب گرد کارواں بھی نہیں کارواں کہاں

جماعت اہل حدیث کے روح رواں، مبلغ اسلام، مثالی خطیب اور داعی، حکیمانہ اسلوب کے حامل حضرت مولانا عبداللہ گورداس پوری ؒ بھی مختصر علالت کے بعد مؤرخہ ۷ر مئی ۲۰۱۲ء داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا مرحوم جماعت کے ہر دل عزیز، خوش بیان خطیب اور مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک تھے۔ آپ نے پوری زندگی قرآن وسنت کی تعبیر وتشریح، شرک وبدعت، کفر والحاد کے خلاف جہاد کرتے گزاری۔ آپ انتہائی اصول پرست، راست گو، نیک سیرت، عدالت وثقاہت، ذہانت وذکاوت، تقویٰ وطہارت، تبحر علمی میں اپنی مثال آپ تھے۔ اُن کی ساری زندگی تعلیم، تدریس اور تبلیغ میں گزری۔ آپ بلند آہنگ خطیب تھے۔ آپ گزشتہ صدی کے جماعتی واقعات کے عینی شاہد تھے۔ آپ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری ؒ اور سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری ؒ سے بے انتہا محبت اور عقیدت رکھتے تھے اور اُن کے قریبی احباب میں شمار ہوتے تھے۔

آپ ۱۹۱۶ء میں ضلع گورداس پور کے مقام وڑائچ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم کا اسم گرامی حکیم امام الدین تھا۔ آپ نے نویں کلاس تک عصری تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے محبوب استاد مولانا عطاء اللہ شہید ؒ سے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ بعد ازاں مزید حصول تعلیم کی غرض سے مدرسہ غزنویہ (امرتسر)، جامعہ رحمانیہ (دہلی) اور دارالعلوم (دیوبند) تک کے علمی اسفار اختیار کیے۔

آپ کے دیگر اساتذہ میں مولانا محمد ابراہیم میر جیسی عبقری شخصیات شامل ہیں۔ آپ نے تحریک ختم نبوت میں بھی بھرپور کردار ادا کیا جس کی وجہ سے قید وبند کی صعوبتیں تک بہادری سے برداشت کیں۔ آپ نے زندگی کا ایک حصہ رائے ونڈ، قصور اور بورے والے میں بسر کیا۔ آپ کے علمی کمالات میں فہم قرآنی کا کلیدی کردار رہا۔ آپ نے تقریباً پانچ بار پورے قرآنِ حکیم کا تفسیر ابن کثیر وغیرہم کی روشنی میں پوری تفصیل سے درس قرآن سامعین کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جسے انتہائی پذیرائی بھی ملی۔ بہرحال آپ نے بھرپور علمی کمالات سے زندگی گزاری۔ آپ کا رہن سہن، بود وباش، خورونوش انتہائی سادہ تھے۔

مولانا مرحوم کو عمر کے آخری حصہ میں ۵ر مئی ۲۰۱۲ء کو دماغی فالج کا حملہ ہوا جس کے نتیجے میں مختصر علالت کے بعد ۷ر مئی بروز پیر داعی اجل کو لبیک کہہ کر عالم فانی کو چھوڑ کر عالم جاودانی کا راستہ اختیار کیا۔ آپ نے اپنے پس ماندگان میں چار بیٹوں اور چھ بیٹیوں کو سوگوار چھوڑا ہے۔ جن میں مؤرخ اہل حدیث ڈاکٹر محمد سلیمان اظہر المعروف بہ ڈاکٹر بہاء الدین (لندن) مصنف تحریک ختم نبوت اور تاریخ اہل حدیث وغیرہم کسی علمی تعارف کے محتاج نہیں۔ بہرحال مولانا عبداللہ گورداس پوری کے سانحہ ارتحال سے ایک علمی عہد کا باب ختم ہوگیا۔

داغ فراق محبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

گزشتہ کچھ عرصے میں جماعت اہل حدیث کو بے انتہا صدمات

سے دوچار ہونا پڑا۔ ابھی تو مفکر اسلام ڈاکٹر عبدالرشید اظہر رحمہ اللہ اور حافظ عبدالمنان نور پوری رحمہ اللہ کے زخم مندمل نہ ہونے پائے تھے، مولانا عبداللہ گورداس پوری جماعت کو سوگوار چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے ۔

ایک اک کرکے ستاروں کی طرح ڈوب گئے
ہائے کیا لوگ میرے حلقۂ احباب میں تھے

آپ بلاشبہ ان یگانہ روزگار ہستیوں میں سے تھے جن کا وجود مسعود امت مسلمہ کے لیے رحمتوں اور برکتوں کا باعث تھا۔ جن کے علم وفضل تقویٰ وطہارت، جہد وعزیمت کی پوری ملت معترف ہے۔ قحط الرجال کے اس دور میں اس طرح یکے بعد دیگرے راسخین فی العلم ہمارے اسلاف ناپید ہوتے جارہے ہیں۔ ایسے میں یہ علم وعمل کا چراغ بھی گل ہوگیا۔ جنھیں تدین، ذوق عبادت، معاملہ فہمی، رجوع الی اللہ کا ایک خاص رنگ اپنے اساتذہ اور ہم عصر علمائے عظام سے میراث میں ملا تھا۔ جب اُن کی زندگی، نشیب وفراز، ابتلاء وآزمائش، ثابت قدمی اور ایک طویل تاریخ حیات کارواں کا ایک لا متناہی تسلسل آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے تو پھر مربوط تحریر کس کے بس کی بات ہے۔

عجب در ایں کتاب نہ بینی از ترتیب
عجب مدار چوں حال من پریشاں است

اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت سے نوازے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اور اُن کے پس ماندگان بالخصوص محترم ڈاکٹر بہاء الدین اور اُن کے فرزند سہیل گورداس پوری وغیرہ کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اللهم لا تحرمنا أجره ولا تفتنا بعده

تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

تذکرۃ المحمدیین

تصنیف: عبدالرشید عراقی
ناشر: مکتبہ ثنائیہ، بلاک نمبر۱۹، سرگودھا
ضخامت: ۱۵۲ صفحات۔ بہترین کاغذ، عمدہ طباعت
اچھی کمپوزنگ، خوب صورت مضبوط جلد
تبصرہ نگار: محمد اسحاق بھٹی

ہمارے دوست ملک عبدالرشید عراقی ماشاء اللہ تیز قلم مصنف ہیں۔ آئے دن ان کی کوئی نہ کوئی کتاب مارکیٹ میں موجود ہوتی ہے۔ اب ان کی تازہ تصنیف ''تذکرۃ المحمدیین'' پڑھنے کو ملی۔ یہ کتاب برصغیر کے ان اٹھائیس علمائے اہل حدیث کے تذکار کا خوب صورت مجموعہ ہے جو ''محمد'' کے روح پرور نام سے موسوم ہیں۔ ان میں پہلا اسم گرامی شیخ محمد بن طاہر پٹنی کا ہے۔ اس کے بعد مولانا محمد بن سخاوت علی جون پوری، مولانا محمد بن شاہ ولی اللہ دہلوی، مولانا محمد بن عبداللہ غزنوی، حافظ محمد لکھوی، مولانا محمد جونا گڑھی، مولانا محمد سورتی، حافظ محمد گوندلوی، مولانا محمد خان پوری ہزاروی اور دیگر محمدیین کے اسمائے گرامی مرقوم ہیں۔ مصنف نے ان سب حضرات کے مناسب انداز میں حالات بیان کیے ہیں اور ان کی تصنیفی اور تدریسی سرگرمیوں کا تعارف کرایا ہے۔ اپنے موضوع کی اردو میں یہ بڑی اہم کتاب ہے۔ اس نام پاک کے علمائے اہل حدیث کا یہ کتاب دلچسپ مجموعہ ہے۔

کتاب حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری کے نام سے قائم شدہ مکتبہ ثنائیہ سرگودھا کی طرف سے شائع کی گئی ہے۔

آغازِ کتاب میں فاضل مصنف نے اپنے ''پیش گفتار'' میں بہت سے ضروری تاریخی واقعات کی نشان دہی کی ہے اور بتایا ہے کہ برصغیر کے کن کن اصحابِ قلم نے تذکرۂ رجال کے موضوع پر کام کیا اور اس سلسلے میں کون کون سی کتابیں لکھیں۔

اس کے بعد جناب بشیر انصاری ایڈیٹر ہفت روزہ ''اہل حدیث'' کی چھ صفحات پر مشتمل تقریظ ہے جو بڑی معلومات افزا ہے۔

عراقی صاحب نے کتاب کے صفحہ ۴۱ پر مولانا محمد بن عبداللہ غزنوی کا تذکرہ کیا ہے اور علامہ اقبال کے ایک خط کے حوالے سے (جو انھوں نے ۱۹؍ دسمبر ۱۹۲۲ء کو محمد الدین فوق کو تحریر کیا) لکھا ہے:

''مولانا محمد غزنوی کی وفات حادثۂ قتل سے ہوئی۔ اور یہ واقعہ ذی قعدہ ۱۲۹۶ء میں رونما ہوا۔

مولوی عبداللہ غزنوی حدیث کا درس دے رہے تھے کہ اپنے بیٹے کے قتل کیے جانے کی خبر ملی۔ آپ نے ایک منٹ تامل کیا، پھر طلباء کو مخاطب کر کے کہا: ''ما بر رضائے او راضی ہستیم بباید کہ کارِ خود بکنیم۔'' یہ کہہ کر درس میں مشغول ہو گئے۔''

یہ اقبال کا بیان کردہ واقعہ بالکل غلط ہے۔ مولانا سیّد محمد داود غزنوی کے بھتیجے عثمان غزنوی مرحوم اپنے قدیم بزرگوں کے قریب العہد تھے اور اپنی تاریخ سے پوری طرح واقف تھے۔ بہت سال ہوئے میں نے ان سے اس واقعہ کے متعلق بات کی تو انھوں نے کہا کہ کوئی غزنوی قتل نہیں ہوا۔ یہ علامہ اقبال کو غلط فہمی ہوئی ہے۔

نزہۃ الخواطر میں حضرت مولانا شمس الحق ڈیانوی کی تذکرۃ النبلاء کے حوالے سے مولانا محمد بن عبداللہ غزنوی کا ذکر کیا گیا ہے اور لفظ ''مات'' لکھا گیا ہے۔ (دیکھیے نزہۃ الخواطر: ۷/ ۳۵۸۔ مطبوعہ ملتان: ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۲ء) اگر انھیں قتل کیا گیا تھا تو ''مات'' کے بجائے ''قتل''

لکھا جاتا۔

بہرحال ملک عبدالرشید عراقی کی زیرنظر کتاب ''تذکرۃ المحدثین'' اپنے موضوع کی منفرد نوعیت کی کتاب ہے اور بہت سی اہم معلومات اپنے دامن صفحات میں لیے ہوئے ہے۔ اس پر لائق مصنف بھی مبارک باد کے مستحق ہیں اور ناشر بھی۔ امید ہے قارئین اس سے استفادہ کریں گے۔

قرآنی احکام ومسائل

تالیف: الشیخ علامہ عبدالرحمٰن بن ناصر بن عبداللہ السعدی
ضخامت: ۴۳۵صفحات
قیمت: فقط پچاس روپے کے نئے ڈاک ٹکٹ
ناشر: حافظ عبدالحمید عامر، جامعہ اثریہ اہل حدیث، جہلم
تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

زیرتبصرہ کتاب ''قرآنی احکام ومسائل'' عامۃ الناس مسلمانوں کی راہنمائی کی خاطر تالیف وطبع کرائی گئی ہے۔ تین ابواب مفصلہ پر مشتمل یہ کتاب بڑے جان دار، ایمان افروز، قرآن وحدیث کی تعلیمات مقدسہ کے مطابق ترتیب دی گئی ہے۔ اس کے تین ابواب (ا) علم التوحید والعقائد۔ (۲) علم الاخلاق والآداب۔ (۳) علم الفقہ، عبادات ومعاملات پر مشتمل ہیں۔

آج اگر ضرورت ہے تو مسلمان کو ان ہی اخلاقی علوم ومعارف کی ضرورت ہے کہ اس کا عقیدہ وہ عقیدہ ہو جائے جو خالص قرآن وسنت اور اصحابِ پیغمبر علیہم الرضوان والا ہو۔ پھر تربیتی طور پر بھی مسلمان کو اخلاق، آداب اور فقہی شعور کے ساتھ اپنی عبادات اور معاملات کے طریقے صحیح اسلامی سانچے میں ڈھلے ہوئے ہونے چاہئیں، اس کی شدید ضرورت ہے۔

یہ سب شعور اور آگہی کیسے ممکن ہے۔ یہ پائیدار لٹریچر اور میڈیا کی صحیح راہنمائی سے ہی ممکن ہوسکتا ہے۔

زیرتبصرہ کتاب ایک بہترین، مدلل اور خوب صورت پیش کش ہے اور ہے بھی مفت۔ ہمارے قارئین اس کتاب کو پڑھیں، سمجھیں اور مبلغ پچاس روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کرکے حافظ عبدالحمید عامر صاحب جامعہ اثریہ جہلم کے پتے پر خط لکھیں اور یہ مفید کتاب ضرور حاصل کرلیں۔

یہ کتاب فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالعزیز بن عقیل حفظہ اللہ کی ذاتی کوشش وخرچ سے تقسیم کی جارہی ہے۔ اللہ کریم تمام احباب کی محنتوں کو قبول فرمائے، آمین یا ربّ العالمین۔

نعت

تہ بہ تہ اضطراب کا چہرہ سانس جیسے عذاب کا چہرہ
بے نوا روح کے بدن پر تھا بے یقیں سے سراب کا چہرہ
ہر کرن کا وجود زخمی تھا مسخ تھا آفتاب کا چہرہ
پیڑ جیسے صلیب ہو ساکت شاخ اوڑھے تھی خواب کا چہرہ
سائے لرزاں تھے خود شناسی سے گور تھا احتساب کا چہرہ
مسلی کلیاں زمیں پہ بکھری تھیں پیلا پیلا شباب کا چہرہ
بامِ سدرہ سے ارض پر اترا وحی کے ماہتاب کا چہرہ
ڈھل گیا الیقین کی ضَو سے ہر حضور و غیاب کا چہرہ
جاگ اٹھیں شعور کی آنکھیں پڑھ کے اُمُّ الکتاب کا چہرہ
اَن پڑھوں کو سکھا گیا اقراء ایک اُمّی جناب کا چہرہ
جاگتے دن کا ہم سفر ٹھہرا صدق کے آفتاب کا چہرہ
ہو گئی آیۂ "فانی قریب" خواہشِ مستجاب کا چہرہ
بندگی بن گیا سرتاپا زندگی کے نصاب کا چہرہ
سیدھا ہاتھوں پہ رکھ دیا کس نے؟ آدمی کی کتاب کا چہرہ
فکر سے جھاڑ کر غبارِ جہل تمتمایا گلاب کا چہرہ
ہر صداقت کی آبرو ٹھہرا آں رسالت مآبؐ کا چہرہ
کھل گیا ہے سوئے حرم آخر خیمہ جاں کے باب کا چہرہ

۱۴۲۰ھ-۱۹۹۹ء

(اُمّ عبد منیب)